



## ماہنامہ محدث لاہور

شمارہ نمبر: 18 --- جلد نمبر 2 --- شمارہ نمبر 7 --- جولائی 1972ء --- جمادی الآخر 1392ھ

### ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمن مدنی      مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔ جس کا نام محدث

تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور

حافظ عبد الرحمن مدنی نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور

محدثانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

### گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: 20 روپے      زیر سالانہ: 200 روپے      بیرون ملک: 20 ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، 99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com      www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

## اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب قوم کیلئے زہرِ بلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاترہ کرافہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوسِ بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدوہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ  
محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

- 2 ..... کام کرو اور کرنے دو
- 6 ..... حکومت کے فرائض
- 7 ..... مسئلہ سماع
- 17 ..... مقام صحابہؓ
- 18 ..... دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تعلیم پر ایک نظر
- 26 ..... بڑھ جاتے ہیں اشغال تو راحت نہیں رہتی
- 27 ..... روشن دور کی تاریکیاں
- 35 ..... رحلہ علم

## فکر و نظر

### کام کرو اور کرنے دو

### نااہل خود بخود مرجائیں گے

شاید ہر ملک میں ایسا ہوتا ہو، بہر حال ہمارے ملک میں تو یہ ریت بن گئی ہے کہ جو صاحب برسر اقتدار آتے ہیں وہ ملک کی تعمیر اور استحکام کی طرف کم توجہ دیتے ہیں اور ان کا سارا پیروی اپنی کرسی کو تحفظ دینے، حواریوں کو تعاون کی قیمت چکانے اور آنے والے انتخابات کے لئے مزید زمین ہموار رکھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ ان کی سرکاری کارروائیوں سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے نجی مسائل اور دل چسپیوں سے بہر توجہ ہٹا کر ملکی مسائل کے لئے وقت نکالتے ہیں اور غیر حاضر طبیعت کے ساتھ جوں توں کر کے ٹائم پاس کرنے والی بات کرتے ہیں۔ اس لئے عموماً ان کی کارروائیوں میں بڑی خامیاں اور ضرر رساں پہلو رہ جاتے ہیں۔

دوسری طرف یہ کیفیت طاری ہے کہ شکست خوردہ جماعتیں اور افراد ارباب اقتدار کی ٹانگیں کھینچنے، اُن کو فیل کرنے، ان کی راہ میں روڑے اٹکانے اور اندرونی ٹوٹکار میں الجھانے میں اپنا سارا وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ **ضعف الطالب والبطالوب**

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ انتخاب کے اختتام کے ساتھ رسہ کشی بھی ختم ہو جانی چاہئے تاکہ برسر اقتدار پارٹی مخالفانہ جوڑ توڑ کی فکر اور اندیشوں سے آزاد ہو کر اپنا یہ انتخابی پیروی پورا پورا اور بالکل یکسو ہو کر ملکی تعمیر و ترقی اور استحکام کے لئے صرف کر سکے۔ یہ ہماری بہت بڑی بد نصیبی ہے کہ انتخابات سے بلکہ اس سے سال بھر پہلے سے لے کر پوری مدت اقتدار تک ارباب اقتدار بد مزگی کے سوا اور کچھ بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑ جاتے۔ گویا کہ ہم دونوں اپنی اپنی ذاتیات اور نجی نوعیت کی دل چسپیوں کے لئے پوری قوم، پورا ملک اور پوری مدت اقتدار گنوا تے چلے آ رہے ہیں۔

اگر دوسری پارٹیاں یہ سمجھتی ہیں کہ کوئی برسر اقتدار پارٹی غلط کارہے تو ان کو چاہئے کہ وہ اس کو پوری طرح عوام کے حوالے کر دیں تاکہ عوام اس کا پورا مزہ چکھ کر خود ہی کوئی فیصلہ کر سکیں کہ اب کیا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ عوام کی آپ بیتی بہت بڑی قوتِ حاکمہ ہے اور وہ جو بھی فیصلہ کریں گے، پائیدار ہو گا اور جو بھی ان کے ساتھ کوئی سودا کر کے آئے گا، ادھار نہیں کر سکے گا۔ نقد پیش کرے گا اور نقد ہی وصول کرے گا۔ اس کے بجائے دوسری پارٹیاں جب برسر اقتدار پارٹی کا شرپسندانہ تعاقب کرنا شروع کر دیتی ہیں تو اس سے غلط سلسلہ چل نکلتے ہیں جو کسی کے لئے بھی خوش آئند نہیں رہتے۔ اس لئے بہتر یہ ہے بلکہ یہ ملک دوستی کا تقاضا ہے کہ جو بھی فریق برسر اقتدار آئے، اس سے پورا پورا تعاون کیا جائے اور ان کو تھام کر چلنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ ملک جو ہم سب کا ملک ہے اس کا بھلا ہو پھر اس کے باوجود بھی اگر کوئی پارٹی ناکام رہتی ہے تو یہ اس کی نااہلی اور بد نصیبی ہوگی اور یہ اپنے آپ مرجائے گی۔

ان گزارشات سے ہمارا مقصود یہ نہیں کہ تعمیری تنقید بھی نہ کی جائے بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تنقید کے انداز سے یہ مترشح ہونا چاہئے کہ آپ کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کو تھام رہے ہیں، گرانے کی کوشش نہیں کر رہے ایسی ہی تنقید بنانے اور سنوارنے کا کام دے سکتی ہے اور اسی میں قوم کا، ملک کا، عوام کا، اربابِ اقتدار کا، اپوزیشن کا بلکہ ملک کی ہر ذی روح اور ہر غیر ذی روح شے تک کا بھلا ہے کیونکہ اس کی برکتیں اور رحمتیں جب عام ہو جاتی ہیں تو اس سے دریا کی مچھلیاں صحراء کے کیڑے مکوڑے اور کھیت کی جھاڑیاں تک فیض پاتی ہیں۔

(۱)

جناب مسٹر غلام احمد پرویز بڑے ذہین آدمی ہیں۔ اردو ادب میں ان کو خاصی دستگاہ حاصل ہے اسلامیات کے سلسلہ میں ان کے مطالعہ کا زیادہ تر دار و مدار عربی کی بجائے اردو تراجم پر ہے۔ مغرب سے مراد وہ ہیں۔ اہل مغرب کو دو چار صلوٰاتیں سنا کر انہی کے نظریات کو قرآن و حدیث کے منہ سے اگلاتے ہیں۔ اسلام، اکابر دین، حدیث، فقہ اور علمائے امت کے خاص کرم فرما ہیں۔ ان کے معاملہ میں آپ کے قلم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مخالفین بنی امیہ کے لئے حجاج کی تلوار کو اور میدانِ کربلا میں حسینیوں کے خلاف یزیدیوں کی یورش کو حاصل تھی یعنی مسٹر پرویز واحد بزرگ ہیں جو اپنے ماضی، اپنے اسلاف اور ان محیر العقول تخلیقات پر فخر کرنے کے بجائے شرمسار ہیں اور جو اپنی ملی روایات کا مذاق اڑانے کو کارِ ثواب اور خدمتِ قرآن تصور کرتے ہیں۔

اب انہی کرم فرماؤں کو یہ تازہ غم لاحق ہو گیا ہے کہ پاکستان کے کسی گوشہ میں کوئی ”مولوی“ کیوں برسرِ اقتدار آگیا ہے۔ چنانچہ ”طلوعِ اسلام“ جو پرویزیت کا ترجمان ہے۔ ”حقائق و عبر“ کے تحت ”مفتی محمود“ صاحب پر ایک نوٹ تحریر فرماتے ہوئے لکھتا ہے:

”علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ے

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے اس کو کیا جانیں یہ بے چارے دورِ کثرت کے امام

اگر آج وہ زندہ ہوتے تو اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتے کہ انہی ”دورِ کثرت“ میں سے ایک صاحب مغربی پاکستان کے ایک صوبہ (سرحد) کی وزارتِ عالیہ کی مسند پر متمکن ہو گئے ہیں۔ ہم اس حادثہ عظمیٰ پر سوائے اس کے کہ اہل سرحد کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کریں اور کیا کر سکتے ہیں؟ اور یہ حقیقت نتیجہ ہے اس مغربی جمہوریت کی لغت کا جس میں ے

”بندوں کو گنا کرتے ہیں، تو لا نہیں کرتے۔“ (طلوعِ اسلام جون ۱۹۷۲ء ص ۱۹)

یہ ہیں وہ مسٹر جو وسیع الظرف مشہور ہیں اور ”نگ نظر ملّا“ کی پھبتی سے ”عصائے پیری“ کا کام لے رہے ہیں۔ رات دن طبقاتی ذہنیت کا نوحہ کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا اپنا یہ حال ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

دنیا کے ہر گوشے میں بد سے بدتر اربابِ اقتدار پڑے ہیں، جن کی زندگیاں ننگِ قرآن اور ننگِ نبیؐ ہیں۔ شراب و کباب کے رسیا، سیاسی شعبہ باز، قوم فروش، کند ذہن، سیاسی تلاش، رسہ گیر، عوام دشمن الغرض ہر لحاظ سے ننگِ دین اور ننگِ وطن برسرِ اقتدار آئے اور ہیں لیکن جناب مسٹر پرویز اور آپ کے ترجمان ماہنامہ طلوعِ اسلام کی کبھی چیخ نہیں نکلی۔ صدیوں بعد ملک کے کسی ایک صوبہ میں اگر عالمِ دین کو محدود اقتدار اور غالباً بے وفا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سائل گیا ہے تو ”مسٹر“ کی جان پر بن گئی ہے آخر راز کیا ہے؟

جمعیت علمائے اسلام اور اس کے رہنماؤں سے ہمیں جو اختلاف ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”مسٹر“ کے اقتدار کی بہ نسبت ایک ”عالم دین“ کا اقتدار ان شاء اللہ بہت زیادہ بابرکت ثابت ہو گا۔

بہر حال ”مسٹر پرویز“ اور آنجناب کے ترجمان ”طلوع اسلام“ نے علماء کے خلاف جو توہین آمیز روش اختیار کی ہے اور کمیونسٹوں کی خصوصی ٹیکنیک کے مطابق جس طرح انہوں نے طبقاتی کم ظرفی اور اسلام پسند اکابر کے سلسلہ میں معاندانہ تنگ ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے ہم اس کی شدید مذمت کرتے ہیں اور ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ موصوف دانستہ یا نادانستہ قرآن کے نام پر بالکل اسی طرح ”قرآنیات“ کے خلاف کام کر رہے ہیں جس طرح ان کے ہم نام اور ہم وطن جناب غلام احمد آنجنابی نے ”نبی“ کے نام پر نبی عربی ﷺ کے خلاف خدمات انجام دی تھیں۔

(۲)

۵/ جون موچی دروازہ لاہور میں ”ختم نبوت کانفرنس“ میں تقریر کرتے ہوئے سرحد کے وزیر اعلیٰ اور جمعیت علمائے اسلام کے رہنما مولانا مفتی محمود نے فرمایا:

”پاکستان کا مستقل آئین قرآن و سنت کی اساس پر ہونا چاہئے اور یہ کہ پاکستان کا سربراہ مسلمان ہو اور تمام کلیدی عہدے جن میں افواج پاکستان کے سربراہوں کے عہدے بھی شامل ہیں، مسلمانوں کے لئے مخصوص رکھے جائیں۔“ نیز فرمایا کہ:

”آئین میں مسلم اور غیر مسلم کی واضح تعریف موجود ہونا ضروری ہے اور ختم نبوت کے مسئلہ کو دستور میں حتمی طور پر طے کر دینا ہو گا۔“ انہوں نے اس امر پر خاص طور پر زور دیا کہ ”مستقل دستور میں اس امر کی واضح شق موجود ہونی چاہئے کہ ریاست کا مذہب اسلام ہو گا۔“ نیز انہوں نے مطالبہ کیا کہ ”دستور ساز اسمبلی کے اختیارات محدود ہونے چاہئیں اور اسے اسلامی دستور کے علاوہ دوسرا دستور بنانے کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔“ انہوں نے اپنی تقریر میں یہ اعلان بھی کیا کہ ”ان کی جماعت تینوں مسلم لیگوں، جمہوری پارٹی اور جماعت اسلام کے ساتھ پاکستان کے اسلامی دستور کی تسوید میں پورا پورا تعاون کرے گی۔“ آپ نے کہا کہ ”ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ پاکستان میں غیر اسلامی آئین نافذ کیا جائے گا۔“ (نوائے وقت ۶/ جون)

مفتی موصوف نے جو باتیں کہی ہیں وہ ہم سب کے دل کی آواز ہے لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ یہ عظیم مقاصد صرف تقریروں یا بیانات سے پور نہ ہوں گے بلکہ اس سلسلہ میں مخلصانہ اور متحدانہ کوششیں ہی کامیابی سے ہمکنار کریں گی۔ بالخصوص انہوں نے مرزائیت کے بارے میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ بہت ہی اہم ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اشتراکیت کی طرح مرزائیت بھی عہد حاضر کا بہت بڑا فتنہ ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں ”پیہ شیر کے کان میں ہے۔“ یعنی مرزائیت کے مستقبل کا فیصلہ کرنا، پیپلز پارٹی کے ہاتھ میں ہے اور وہ نہ صرف مرزائیوں کی ممنون ہے بلکہ بقول بعض ان کی جیب میں بھی ہے۔ بہر حال آئیں، اسلامی کی تسوید کا مسئلہ ہو یا اس کے نفاذ کا، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لئے اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینے کی بات ہو یا ملک کے کلیدی عہدوں کی تقسیم کا مسئلہ، مسلم کی تعریف کا سوال ہو یا مرزائیت کے فتنہ سے عہد برآہونے کا کوئی تہیہ وہ مختلف جماعتوں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



## کام کرو اور کرنے دو

تعاون اور عوام کی بھرپور تائید کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لئے مفتی صاحب موصوف کو چاہئے کہ وہ مؤثر اقدامات کرنے کے لئے مختلف جماعتوں کو اپنے اعتماد میں لیں اور ملک کے مختلف رہنماؤں کا خصوصی اجلاس بلا کر اس کے لئے طریق کار اور لائحہ عمل تیار کریں۔ پھر اللہ کا نام لے کر چل پڑیں۔ اللہ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔

مفتی موصوف ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ جن امور کو انہوں نے ذکر کیا ہے ان کے خلاف مزاحمت صرف اندرون ملک میں ہی نہیں کی جائے گی بلکہ بیرونی طاقتیں بھی کریں گی۔ گویا کہ یہ ”نعرہ حق“ بلند کر کے آپ نے سارے جہاں کو لگا رہا ہے۔ اس لئے ان سے بھی چوکنار ہونا ہو گا۔ کیونکہ بڑی طاقتیں اس کو پسند نہیں کرتیں کہ اسلام پھر سر بلند ہو۔

## حکومت کے فرائض

### اسلامی ہونے کی بنیادی شرائط

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْبَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْهَنْكَرِ (الحج: ۴۱)  
جن کو اگر ہم زمین میں ٹھہرائیں تو وہ۔۔۔۔۔

نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم کریں گے۔ بدی سے روکیں گے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ: ۴۴)

اور جو لوگ اللہ کے قانون کے مطابق حکومت نہ کریں وہ کافر ہیں۔

### دعوتِ فکر:

لوگ قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہیں؟

شعبہ نشر و اشاعت ”حزب اللہ“ (پاکستان)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



## مسئلہ سماع

عزیز زبیدی وار برٹن (شیخوپورہ)

قسط: آخری

قال رسول اللہ ﷺ: (۴)

یعنی اس پاک اور عظیم ہستی کی باتیں جو سماع، قرآن سے اٹک بار ہوئی، رجزیہ کلام سنا تو ولولہ جہاد میں سرشار ہوئی، لطف و سرور کی معصوم سی گھڑیاں آئیں تو تفریح کی اس سادہ سی تقریب کو عموماً حرب و ضرب کی یادگار بنا ڈالا یا پیش آمدہ پروگرام میں دل آویزی پیدا کر کے اس کو ”اتمام کار“ کا ذریعہ بنا دیا۔ مثلاً ایام عید آئے تو خون کو گرمادینے والی تاریخی رزمگاہوں کے بول سنے (بخاری) شادی بیاہ کی تقریب پیدا ہوئی تو عائلی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے صرف اس حد تک تفریحی پروگرام کے اختیار کرنے کی ترغیب دی جو یہاں سے گھر تک پہنچا دے نہ یوں کہ گھر سے بھی آگے کہیں دور لے جا کر گھر وندے کو بھی ویران بنا دے۔ یہ وہ کلیہ اور فارمولا ہے اگر سمجھ لیا جائے تو اس سلسلہ کی ان تمام روایات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی جن سے یار و دوستوں نے میخانے تعمیر کیے یا کر رہے ہیں۔

اب آپ اسی ذات گرامی کی چند وہ باتیں ملاحظہ فرمائیں جن سے ”میخانہ بردوش“ موسیقی کے سلسلہ میں ہمیں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

ایسے بد لوگ بھی آئیں گے:

عن الاشعری سمع النبی ﷺ یقول لیكون من امتی اقوام یتستحلون الحر والحریر والخمر والبعاظ

حضرت اشعری فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو بدکاری، ریشم، شراب پینے اور گانے بجانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کریں گے۔ (بخاری باب ماجاء فیمن یتستحل الخمر ویسمیہ بغیر اسمہ) اس روایت کے آخر میں ان کے روح فرسا اور حوصلہ شکن نتائج بد کا ذکر آیا ہے جو اب ہم شب و روز مشاہدہ کر رہے ہیں۔ بعض بزرگوں نے اس حدیث کی روایتی حیثیت سے بحث کی ہے، مگر محدثانہ نقد و نظر کے مطابق بالآخر یہ طے پایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، خود صحیح بخاری کا نام اس کی صحت کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔

اس حدیث میں جن چار امور کا ذکر کیا گیا ہے۔ محل و موقعہ کے لحاظ سے ان کا علی الانفراد جائزہ حدیث کے خطاب اور اس کی روح کے سمجھنے میں کچھ زیادہ مفید نہیں ہے۔ اصل بات یہ بتائی جا رہی ہے کہ ان چاروں میں قدرتی تلازم پایا جاتا ہے۔ ایک کارسیا دوسری تینوں سے بالکل بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ اگر بعض عوارض اور مواقع کی وجہ سے ایک آدھ کا تخلف ہو جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے قلب و نگاہ میں بھی اس کی کسک باقی نہیں رہی۔ ایک بدکار جس طرح لطیف بھڑکیلے لباس، شراب اور رقص و سرور کے لئے اپنے اندر قدرتی تحریک محسوس کرتا ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ یہی حال موسیقی کے رسیا اور پُرکشش آتشیں کپڑوں اور شرابِ ناب کے متوالوں کا ہے۔ گوبات کڑوی ہے تاہم اگر ایسے لوگ گریبان میں جھانک کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دیکھیں تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ بات پتے کی ہے۔ ہمارے اس نظریہ کی تائید ابن ابی الدنیا کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ان آفات و بلیات کا محرک بیان کرتے ہوئے فرمایا:

**قالت عائشة يا رسول الله وهم يقولون لا اله الا الله؟ فقال اذا ظهرت القيان وظهرت الربا وشربت الخمر ولبس الحرير كان ذا عندا۔**

ان کلمہ گوؤں میں یہ فتنے اس وقت ابھریں گے جب پیشہ وارانہ غنی، ربا، شراب اور ریشمی کپڑوں کا دور چلے گا۔ اسی مضمون کی ایک اور روایت عن ابن عباس امام احمد و ابو داؤد میں اور ابو امامہ سے مسند احمد میں مروی ہے۔ ریشم کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے، جب محض لطافت پسندی اور ذوقِ نفاست اس کا محرک ہو لیکن یہ عورتوں کو نمود و نمائش کے لئے جلوہ نمائی پر بھی مائل کر دے تو ان کے لئے بھی حرام ہے۔ اسی لئے دور میں حضرت عمرؓ نے عورتوں کے لئے لباسِ فاخرہ کی حوصلہ شکنی کی ترغیب بایں الفاظ دی تھی۔

**(قال عمر) استعينوا على النساء بالعري ان احدهن اذا كثرت ثيابها وحسنت زينتها اعجبها الخروج (ابن ابی شیبہ۔ عن عمر)**

”یعنی عورتوں کو بکثرت لباسِ فاخرہ نہ دیا کرو اس سے ان کو باہر نکلنے کا شوق چراتا ہے۔“ حدیث میں لفظ ”یستملون“ آیا ہے جس کے معنی عموماً ”حلال“ کیے جاتے ہیں جو محلِ نظر ہیں۔ کیونکہ ان کو حلال بہ ایں معنی کوئی نہیں تصور کرتا کہ وہ شرعاً اخلاقاً جائز بھی ہیں بلکہ اس کے صحیح معنی ”کوئی حرج نہ محسوس کرنا“ ہیں یعنی لوگ ان کا ارتکاب کریں گے مگر ان کی سنگینی کا احساس نہیں کریں گے۔ مثلاً یوں کہیں گے چلو! دیکھا جائے گا۔ اب یہ آپ کی دیانت اور تجربہ پر منحصر ہے کہ حدیث میں جن امور کی نشاندہی کی گئی ہے ان کے متعلق فیصلہ کریں کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں؟ ہم کہیں گے تو آپ کو اس میں ایک گونہ تکلف محسوس ہو گا۔

**دوبد نہاد آوازیں:**

**عن جابر عنه ﷺ قال ولكنني نهيت عن صوتين احمقين فاجرین، صوت عند نغمة ولهو ومزامیر شیطان الحديث**

”مجھے دو احمقانہ اور بد نہاد آوازوں سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آواز گانے، شغل بے قابو اور شیطانی مزامیر کی آواز ہے۔“ (ترمذی۔ حدیث حسن) (امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث ”حسن“ ہے یعنی قابلِ حجت اور مستند ہے) احمق اس لئے فرمایا کہ گویوں کے راگ و رنگ کا جو مسرفانہ تکلف ہوتا ہے کوئی سنجیدہ رنگ نہیں ہوتا۔ فاجرین و بد نہاد اس لئے کہا کہ اس سے

**محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ**

قلب و نگاہ میلے ہو جاتے ہیں۔

**چنگ و رباب کو مٹانا بعثت کے فرائض میں سے ہے:**

عن ابی امامۃ عن النبی ﷺ ان اللہ بعثنی رحمۃ و ہدی للعالمین و امرنی ان امحق المزامیر و الکبارات یعنی البرانط و المعازف (رواہ احمد و فیہ علی بن یزید و هو ضعیف)

”مجھے میرے اللہ نے ساری دنیا کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر مبعوث فرمایا اور یہ حکم دیا کہ سرود و چنگ و رباب کو مٹاؤں۔“  
ابن غیلان نے حضرت علیؑ سے بھی یہ نقل فرمایا ہے:

بعثت بکسر المزامیر (نیل الاوطار) مزامیر کو توڑنے پھوڑنے کے لئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔

عن ابی عباس ان النبی ﷺ امرت بہدم الطبل و المزامیر  
”حضور کا ارشاد ہے کہ مجھے خدا نے ڈھول اور مزامیر کے توڑنے کا حکم دیا ہے۔“ (دیلیمی)

**اس کی نماز جنازہ جائز نہیں:**

عن علی ان النبی ﷺ قال من مات ولہ فنیۃ فلا تصلوا علیہ (رواہ الحاکم و الدیلمی بسند ضعیف)  
”جو مراد، در آنحالیکہ اس نے مغنیہ لونڈی بھی رکھی ہوئی تھی۔ تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھا کرو۔“

**گانے بجانے والی کی بیع و شراعت ناجائز:**

عن ابی امامۃ ان النبی ﷺ لا تبیعوا القینات ولا تشتروہن الحدیث (ترمذی)  
”مغنیہ لونڈیوں کی خرید و فروخت سے باز رہو۔“

گویہ روایت تنہا محل نظر ہے لیکن اس سلسلہ میں اتنی کثرت سے روایات آئی ہیں کہ حضرت امام شوکانیؒ کو کہنا پڑا کہ:

النہی عن بیع القینات المغنیات فانہا ثابتۃ من طرق کثیرۃ (نیل)

”مغنیہ لونڈیوں کی خرید و فروخت کی ممانعت کی روایات کی روایات ثابت ہیں اور بکثرت مروی ہیں۔“

الغرض موسیقی سے ممانعت کی روایات حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہم سے منقول ہیں۔ گو علی الانفراد سب سے بحث کی جاسکتی ہے۔ لیکن مجموعی لحاظ سے روایات حسن لغیرہ کے درجہ کی ہیں۔ یعنی باہم مل کر قابل توجہ اور استدلال ہو گئی ہیں۔ امام شوکانیؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

فاتل احوالہا ان تکنون من قسم الحسن لغیرہ (نیل ص ۸۶، ۸۷)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”کم از کم یہ حسن لغیرہ کے درجہ کی ہیں“

## سماع جنسی تحریک کا باعث ہے:

کچھ بزرگوں کے ارشادات اور تجربات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ سماع جنسی تحریک کا باعث ہے۔

1. ابن مسعود: عن ابن مسعود الغناء ينبت النفاق في القلب (یہقی موقوفا) وقال ابن الطاهر انه من

قول ابراهيم

”سماع دل میں کڑھ پیدا کرتا ہے۔“

بعض نے کہا ہے کہ یہ قول حضرت امام نخعی کا ہے۔ بہر حال دونوں بزرگ ہیں مگر بات جو کہی ہے، وہ لا جواب ہے۔ دل کا یہ کڑھ کیا ہے؟ سب پر واضح ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قول دراصل حضرت ابن مسعود کا ہے جس کو ابراہیم نخعی کبھی اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے اور کبھی روایت کر کے بات بتا دیتے۔ حضرت ابن مسعود سے یہ قول حضرت محمد بن عبد الرحمن بن یزید اور ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

2. فضیل بن عیاض: ابن ابی الدنیا نے حضرت حسین بن عبد الرحمن سے روایت کی ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض فرمایا کرتے تھے:

”الغناء رقیہ الزنا“ (کتاب ذم الملائی ابن ابی الدنیا) ”کہ گانا زنا کے لئے جادو ہے۔“

3. سلیمان بن عبد الملک: خالد بن عبد الرحمن سلیمان بن عبد الملک کے لشکر میں ایک فوجی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رات کو ایک شخص کو گاتے ہوئے سنا تو صبح کو اس کو بلوا بھیجا اور کہا:

”گھوڑا ہنہناتا ہے تو مادہ اسپ تازی مل جاتی ہے۔ اونٹ بڑھاتا ہے تو اونٹنی اس کے لئے اپنی گودی پھیلا دیتی ہے۔ بکرا آواز نکلاتا ہے تو بکری حاضر ہو جاتی ہے وان الرجل لتغنی فتشتاق اليه المریة (مرد گاتا ہے تو عورت اس کی طرف لپکتی ہے) پھر حکم دیا **اخصوهم** (ابن ابی الدنیا) اس کو خصی کر دو۔“

4. یزید بن عبد الملک: حضرت ابو عثمان لیثی فرماتے ہیں کہ یزید بن عبد الملک آل بنی امیہ کو وعظ کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

ایاکم والغناء فانه ينقص الحياء ويزيد في الشهوة ويهدم المروعة وانه لينوب عن الخمر ويفعل ما يفعل السكر  
کہ گانے سے بچو، یہ حیا کو کم کرتا ہے جنسی خواہش کو بڑھاتا ہے۔ آدمیت تباہ ہو جاتی ہے۔ گانا شراب کے قائم مقام ہے اور نشہ کا کام دیتا ہے۔  
پھر کہا: ”اگر باز نہیں رہ سکتے تو کم از کم عورتوں سے پرے رکھو۔ **فان الغناء داعية الزنا**“ ”گانا، زنا کا داعی ہے۔“

محمد بن ازدی حطیہ شاعر کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک عرب کے ہاں اپنی بیٹی کے ساتھ مہمان ہوا۔ جب رات ہوئی تو گانے کی آواز سنی تو ہا ”چپ رہیے“ پوچھا، اس میں کیا ناپسندیدہ بات ہے؟ کہا:

ان الغناء رائد من راحة الفجور (کتاب ذم الملائی ابن ابی الدنیا)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

5. حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ: آپ غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں:

**ثم یکفی فی کراہۃ ما فی ذلک من ثوران الطبع و هیجان الشهوة**

”یعنی (اس کی حرمت و کراہت کے لئے) یہ کافی ہے کہ حیوانی مزاج کو گرماتا ہے اور جنسی تحریک پیدا کرتا ہے۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے رنجشہ غلام سے جو صحابی بھی تھے، جب گانے لگے تو کہا:

**یا رنجشہ رویدا بالقواریر (مشکوٰۃ)** ”اے رنجشہ! ان آگینوں کو جانے دیجئے!“

مقصود یہ ہے کہ گانا بجانا بھی میلانات میں شدید تحریک اور ہيجان پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے انسان عموماً جنسی خواہش کی بھینٹ چڑھ کر ضائع ہو جاتا ہے۔

عشق نے غالب نکما کر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ایک امام لکھتے ہیں کہ یہ مفسد تو تنہا غنا (گانے) کے ہیں اور جب اس کے ساتھ دوسرے آلات موسیقی بھی مل جائیں جیسے دف، بانسری وار پھر اس میں رقص اور جھومنا لہکنا بھی شامل ہو جائے تو اگر کوئی عورت کسی گانے سے حاملہ ہو سکتی تو اس سے ضرور ہو جاتی:

**فاما اذا اجتمع الی هذه الرقية الدف واشبابة والرقص بالتخت والتکسر فلو حبلت البرءة من غنا لجعلت من هذه الغناء**

اس کے آخر میں موصوف لکھتے ہیں:

**فبعبّر الله کم من حرّة صارت بالغنا من البغایا و کم من حر اصبح به عبدا للصبيان او الصبايا و کم من**

**غیور تبدل به اسما قبیحا بین البرایا**

کہ بخدا بہت سی شریف خواتین گانے سنتے سنتے فاحشہ ہو گئیں اور بہت سے شریف مرد گانے سنتے سنتے لڑکوں اور لڑکیوں کے غلام بے دام بن گئے اور بہت سے غیور لوگوں نے اس کی وجہ سے دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی۔

**ایک دلچسپ کہانی:**

اس سلسلہ میں بعض کتابوں میں ایک عجیب قصہ درج کیا گیا ہے، گو اس کی روایتی حیثیت کچھ ایسی نہیں ہے تاہم قرآن بتاتے ہیں کہ جس بات کی نشاندہی کی گئی ہے، بالکل صحیح اور بجائے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب خدا نے ابلیس کو دھتکار دیا تو ابلیس نے کہا، الہی! تو نے مجھے دھتکار تو دیا ہے۔ اب میرے کام کیا ہوں گے؟ فرمایا، شعبہ بازی اور جادوگری، پھر ابلیس نے پوچھا اور میرا قرآن؟ فرمایا اشعار۔ پھر اس نے پوچھا، میری کتاب؟ فرمایا، گودنا! پھر پوچھا اور میرا کھانا؟ جواب ملا، ایسا مردار جس پر خدا کا نام نہ پڑھا گیا ہو۔ پھر ابلیس نے پوچھا اور میرا پینا؟ فرمایا ہر نشہ آور شے! پھر پوچھا اور میرا ٹھکانا؟

**محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ**



فرمایا، بازار۔ **فما صوتی قال المزامیر قال فما مصائدی قال النساء** یعنی پوچھا کہ میری (خصوصی) آواز؟ فرمایا، مزامیر۔ کہا، میرا شکار؟ فرمایا عورتیں۔

حرمِ مزامیر اور غنا کے سلسلہ میں کچھ صحیح روایات موجود ہیں جو کمزور روایات کی تقویت کا باعث ہیں۔ اس لئے کمزور روایات کو اس مضمون کی مجموعی حیثیت سے الگ نہیں رکھنا چاہئے بلکہ دونوں کو ملا کر مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اسلامی تعلیم و تربیت کے مقاصد اور ملتِ اسلامیہ کے مزاج اور فرائض کے آئینہ میں رکھ کر ان کا جائزہ لینے کی کوشش فرمائیں۔ ان شاء اللہ جو بات ہم کہنا چاہتے ہیں۔ آپ کی سمجھ میں ضرور آجائے گی۔

### غنا، قرآن کی راہِ مارتا ہے:

حضرت امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مضمون تحریر فرمایا ہے جس کا نام ”ترجیح ذوق القراءۃ والصلوۃ علی ذوق السماع واصوات القینات“ ہے۔ اس مضمون پر اتنی جامعیت، جاذبیت اور واقفیت شاید ہی کہیں اور ملے۔ اسے پڑھنے کے بعد ایک دفعہ ضمیر اور روحانیت ضرور بیدار ہو جاتی ہے۔ ہم یہاں اس کی تلخیص پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم ایک بات پیش کرتے ہیں کہ ضروری اور مناسب حال ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی سے (جو مسلمان ہو چکی تھی) نکاح کرنا چاہا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

**لا تجتمع بنت رسول الله وبنت عدو الله عند رجل واحد (ترجیح)**

”کہ ایک ہی شخص کے عقد میں رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی جمع نہیں ہو سکتیں۔“

یہاں پر امام ابن القیم نے اسی تلخیص کو استعمال کیا ہے کہ ذوقِ قرآن اور ذوقِ غنا بھی کسی ایک فرد میں جمع نہیں ہو سکتے۔ جس کو قرآن کی تلاوت کی حلاوت حاصل ہے وہاں نغمہ و غنا کی بات نہیں رہے گی اور جہاں نے نوازی اور سماع کی بادشاہی ہوگی وہاں قرآن کا گزر نہیں ہوا۔

**فما اجتمع والله الامر ان في قلب الا وطر واحد هما الاخر ولا تجتمع بنت رسول الله وبنت عدو الله عند رجل واحد ابدا (ترجیح، ذوق القراءۃ)**

(کہ) بخدا! ایک دل میں یہ دونوں (تلاوت قرآن اور غنا) جمع نہیں ہو سکتے مگر ایک دوسرے کو بھگا دیتا ہے (جیسا کہ) رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک شخص کے عقد میں کبھی بھی جم نہیں ہو سکتیں۔

امام ابن القیم بات کیا کہہ گئے ہیں؟ اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو باذوق بھی ہیں اور اہل دل بھی۔ بخدا! ہم نے تو جب سے ان سطور کا مطالعہ کیا ہے دل ہار بیٹھے ہیں اور اس کے بعد واقعہ کسی اور دلیل و برہان کی ضرورت ہم محسوس نہیں کرتے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اولیاء اللہ میں اپنا ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ سماع کے رُؤ میں ایک نئی راہ پیدا کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ جو لوگ سماع پر لٹو ہو رہے ہیں ان کی مثال ان اسرائیلیوں کی سی ہے جنہوں نے من و سلویٰ کے مقابلہ میں پیاز اور مسور کی دال مانگی تھی۔ یعنی قرآن کے ہوتے ہوئے سماع اور غنا کا شوق رہنا یوں ہے جیسے حلو اور پلاؤ کے بدلے دال مانگنا۔

**محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ**



ولا ينبغي للفقير ان يتقاضى القارى ولا القوال۔ ان استبدل القول الذى هو ادنى بالذى هو خير يعنى  
الابیات بالقرآن على ما هو عادة اهل الزمان اليوم (غنية الطالبین)  
یعنی سالک کے لئے مناسب نہیں کہ وہ قارئ قرآن یا قول سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ چیز لائے یعنی قرآن کے بدلے اشعار۔  
جیسی حالت آج کل ہے۔

حضرت جیلانی فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کے سلسلہ میں یہ لوگ سنجیدہ ہوتے تو وہ سماع قرآن کے بغیر کسی اور طرف متوجہ ہی نہ ہوتے۔  
فلو صدقوا فی قصدہم و جردہم و تصرفہم ما انزعجوا فی قلوبہم و جوارحہم بغیر سماع کلام اللہ عز و جل  
اذہو کلام محبوبہم و مفتہر“ (غنیہ)  
ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے:

و ادمانہ یثقل القرآن علی القلب کہ سماع پر مد اومت، قرآن کو دل پر بوجھ بنا دیتی ہے۔  
حضرت شبلی کا تبصرہ اور بھی جاندار ہے۔ ان سے کسی نے سماع کے بارے میں پوچھا:  
أحق هو؟ قال لا، فقیل ما ذا؟ قال فما ذا بعد الحق الا للضلال“ (غنیہ)  
کہ کیا وہ برحق ہے؟ فرمایا نہیں۔ تو پھر وہ کیا ہے؟ فرمایا حق کے بعد تو ضلالت ہی رہ جاتی ہے۔

### زہر آمیختہ شہد:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سماع کو زہر آمیختہ شہد سے تعبیر فرمایا ہے۔ مکتوبات، مکتوب نمبر ۳۴، ص ۶۴، ۳ میں لکھتے ہیں:  
”وہر سرود و نغمہ رغبت نہ کنند و بالتذاذ آں فریضت نہ گردند کہ آں سمجھے است غسل آلودہ زہر است شکر اندودہ۔“  
یعنی سرود و نغمہ سے دل چسپی نہ رکھیں اور نہ ہی ان سے لطف اندوزی پر فریضت ہوں۔ کیونکہ یہ شہد آلودہ اور شکر آمیختہ زہر ہے۔  
اس زہر شیریں نے جو تباہی مچائی، نوخیز نسل کے مستقبل کو جس طرح غارت کیا، قلب و نگاہ کی کائنات کو جس قدر اس نے ویران کیا۔ شیطانی اثر و  
نفوذ کے امکانات اس کے زیر سایہ کس طرح اور کس قدر بڑھے، رحمانی اثرات اور ربانی ملکات جس طرح مسخ ہوئے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ الغرض  
یہ داستان جس قدر دردناک اور شرمناک ہے اتنی ہی واضح اور عیاں بھی ہے۔

### سدر باب کا تقاضا:

امام ابن القیم اور حضرت امام شاطبی رحمہم اللہ نے ان ذرائع اور وسائل سے خاصی بحث کی ہے جو حصول مقصد کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کا کام دیتے  
ہیں، یعنی اگر شارع کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کے حصول کا ذریعہ بھی مقصود و مطلوب کی طرح مشروع سمجھا جائے گا اور جس کام سے منع  
کرتا ہے تو اس ممنوع تک پہنچنے کا جو سبب اور وسیلہ ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح ممنوع تصور کیا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت امام ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۰ھ / ذوالقعدہ ۷۲۸ھ، ۱۳۳۷ء) نے اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل میں، حضرت امام ابن القیم (ف ۷۵۱ھ) نے اعلام الموقعین میں اور حضرت امام ابوالفتح ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی المالکی (ف ۷۹۰ھ) نے الموافقات میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ ان مباحث کا اصل اور قانونی ماخذ دراصل قرآن و حدیث ہے۔ مثلاً فرمایا ”لا تقربوا الزنا“ یا لا تقربا هذه الشجرة وغیرہما سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک نہ جانے کا یہی مطلب ہے کہ اس راہ پر قدم بھی نہ رکھو جو ممنوعات کی طرف جاتی ہے گویا کہ وسیلہ اور ذریعہ بھی ممنوع ہے۔ حضور ﷺ نے اس کی مثال یوں بیان فرمائی:

### کالر اعی یرعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ (بخاری)

جیسا کہ چرواہا جو رکھ کے ارد گرد چراتا ہے ہو سکتا ہے کہ (اس کے چرنے والے جانور) رکھ میں بھی جا چریں۔ گویا ممنوعہ علاقہ سے کماحقہ بچنے کے لئے ضرور ہے کہ وہ اس کی باڑ سے بھی پرے رہے ورنہ اس میں جا پڑنا عین ممکن ہوتا ہے۔ الغرض ”سد باب“ کے طور پر ضروری ہے کہ جن محارم تک پہنچنے کے لئے غنا اور سماع کی مہمیز وسیلہ اور سبب بن سکتی ہے وہ بھی شرعاً اسی طرح حرام و ممنوع سمجھی جائیں جیسے وہ امور ممنوعہ۔ باقی رہا یہ سوال کہ موسیقی کی فتنہ سامانیاں کیا واقعی اتنی ہی سنگین ہیں جن کا احساس کیا جا رہا ہے تو ہم پوری شرح صدر کے ساتھ یہ عرض کریں گے کہ وہ بالکل بجا اور صحیح ہیں اور جن کو اس میں شک ہے وہ شاید فرش پر نہیں عرش پر رہتے ہیں۔ حضرت امام شوکانی (ف ۱۲۵۵ھ) نے کیا خوب لکھا ہے کہ:

”مانا کہ وہ حرام نہ ہو لیکن اشتباہ کے دائرہ سے خارج نہیں ہے اور مومن کا خاصہ ہے کہ مقام اشتباہ آجائے تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں۔ خاص کر جب کسی حور و ش کے قد و قامت، خد و خال، حسن و جمال، ناز و آوا، ہجر و وصال کا تذکرہ بھی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ابتلاء سے بچ نہیں سکے گا۔ اس شیطانی سلسلہ نے کتنی جانیں ضائع کر دیں اور کتنوں کو عشق کی زنجیروں میں کڑ ڈالا۔“ (مختصر نیل الاوطار)

ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:

فلا یخفی علی الناظر ان محل النزاع اذا خرج عن دائرة الحرام لم یخرج عن دائرة الاشتباه والہو ممنون وقانون عند الشبهات۔۔۔۔۔ ولا سیما اذا کان مشتملا علی ذکر القدور والحدود والجمال والدلال والہجر والوصال معاترة العقار وخلع العذار والوقار بان سامع ما کان كذلك لا یخلو عن بلیة۔۔۔۔۔ علم لهذه الوسيلة الشیطانية من قنیل دمہ مطول واسیر بہوم عزامہ وھایمہ لکبول نسأل الله السداد والثبات“ (نیل الاوطار ص ۸۷، ۸۸ باب ما جاء فی آلة اللہ)

قارئین کرام! یہ ساری کہانی اس غنا اور سماع کی ہے جو پاک لوگوں کے ہاں مروج تھا نہ کہ اس دور کی جواب موسیقی کے نام پر مچل رہا ہے۔ پاک دور میں اس کی شکل ”شعر گوئی“ کے قریب تھی اور اگر دف یا کوئی ساز بھی ساتھ تھا تو وہ بھی درجہ سادہ ہوتا تھا۔ یقین کیجئے! اسلاف کے ہاں جو سماع تنازع فیہ رہا ہے۔ ہمارے عہد کے فتنہ بردوش نظام غنا، سماع، دستور رقص و سرود سے اس کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اسلاف کے ہاں جو رنگ تھا وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

منقبض طبیعت کے لئے انشراح کی ایک کوشش تھی تاکہ بریک کھل جائے اور قافلہ حیات فرصت میں بھانپ گئے اور وہ یہ کہ انقباض کی گرہ کشائی ایک خاص دلچسپی اور مبلغ علم کی نشاندہی کرتی ہے۔ گویا کہ ان کے جذبات میں سفلیات کا ابھی دخل تھا۔ اس لئے انہی سے اپنے اخلاق کی دوا بھی کرتے تھے۔ لیکن جو لوگ مائل بہ پرواز تھے وہ اپنے طبعی انقباض کی دوا آسانی نسخہ شفا سے کرتے تھے۔ یعنی نغمہ و سرود کے بجائے تلاوت قرآن، نماز اور ذکر و ثناء سے کیا کرتے تھے، کیونکہ جس ذات پاک کے قرب و وصال کی تڑپ ان کو بے چین رکھتی تھی۔ اسی پاک ذات کے کلام، عبادت اور اس کی حمد و ثناء میں وہ چین پاتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ جیلانیؒ نے ان اہل سماع پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ یہ ذوق جام کے مریض ہیں ورنہ وہ یقیناً تلاوت قرآن میں ترقی کرتے۔ صاحب عوارف المعارف نے بھی کتاب کے ۲۳ ویں باب میں اس امر کا سخت گلہ کیا ہے کہ اسلاف میں جو سماع کی مثالیں ملتی ہیں۔ ان سے یہ لوگ اپنے دور کے مسرفانہ سماع کے لئے استدلال کرتے ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ:-

”اگر ایک صاحب انصاف، انصاف کی بات کرے اور اپنے دور کے اہل سماع کے اجتماعات کا بغور جائزہ لے اور موسیقار کی خصوصی (فنی قسم کی) نشست اور بانسری بجانے والے کا انداز دیکھے اور پھر وہ سوچے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے حضور میں کبھی یہ رنگ ڈھنگ دیکھنے میں آئے؟ کیا آپ کے دور میں قوالوں کو جمع کر کے سماع کے لئے ان کے گردیوں مجتمع ہو کر لوگ بیٹھے؟ تو یقیناً وہ بول اٹھے گا کہ ہر گز نہیں۔“

ان کے الفاظ یہ ہیں:

وان انصف الم نصف وتفكر في اجتماع اهل الزمان وقعود المغني بدفه والمشبب بشبابته وتصور في نفسه هل وقع مثل هذا الجلوس والهيئة بمحضرة الرسول ﷺ وهل استحضر واقوالا وقعدوا مجتمعين لاستماعه لاشك ينكر ذلك من رسول الله ﷺ واصحابه (العوارف باب ۲۳)

پھر فرماتے ہیں کہ ”اگر اس میں کچھ منقبت ہوتی تو وہ کبھی اس کو نہ جانے دیتے۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام اور تابعین کے حالات سے ناواقف ہے۔ ولو كان في ذلك فضيلة ..... ما اهلوا لها فمن يشير بانه فضيلة تطلب ويجمع لها لم يحظ يذوق معرفة احوال رسول الله ﷺ واصحابه والتابعين (ايضاً)

### وجہ مغالطہ:

کچھ روایات میں مختلف محل و موقع پر ”غنا“ گانے کا ذکر آیا ہے۔ اس کی توجیہ اس قسط کے شروع میں بیان کر دی گئی ہے۔ ہاں بعض صحابہ اور تابعین کے بارے میں کچھ واقعات ایسے بیان کئے جاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سماع کیا کرتے تھے مثلاً:

- حضرت عبد اللہ بن جعفر اپنی لونڈیوں سے خوش الحانی کے ساتھ گانے طنبورے کے ساتھ سنا کرتے تھے (اسماع للاستاذ)
- اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنی لونڈیوں سے ساز کے ساتھ گانے سنا کرتے تھے۔ (ایضاً)
- حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عبد اللہ بن جعفر کے ہاں ساز سنا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

• حضرت حسان بن ثابت نے عزم سے ساز کے ساتھ ان کے شعر سنے۔

الغرض ابن حزم نے اپنی کتاب ”سماع“ میں اوفوی نے، قتیبہ نے، ابوطالب مکی نے، ابن طاہر ابن النعمان نے بہت سے ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ سبھی کچھ جائز ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ روایات مستند نہیں ہیں۔ اگر بعض روایات تسلیم بھی کر لی جائیں تو ان کی حیثیت نجی ہے اجتماعی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے سماع بھی اپنی لونڈی یا خریدی جانے والی لونڈی سے کیا، چونکہ اپنی لونڈی ہر طرح مباح ہوتی ہے اور اسی کی آواز، اسی کو ہی دلاویز بنانے کا سبب بن سکتی ہے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اب کوئی حرج نہیں ہے۔

تاہم ہمارے نزدیک یہ تاویل اور توجیہ بھی کچھ زیادہ وزنی نہیں ہے کیونکہ صحت صرف کتاب و سنت کی ہے جس کے خلاف کسی کا عمل معتبر نہیں۔ (لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق) (بخاری) نیز صاحب العوارف نے ذکر کیا ہے کہ ان کا سماع اتنا سادہ تھا کہ ہمارے عہد کے اعتبار سے نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے اب شکل ہی بدل گئی ہے اور دورِ حاضر میں موسیقی کی جو تخلیقات سامنے آئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے بگڑے تو لاکھوں ہیں لیکن کسی کی بگڑی بن بھی گئی ہو، ابھی تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ اگر انجام اور مال سب سے بڑا قاضی ہے تو قاضی شہر کو یہ کہنا پڑے گا کہ اب نظامِ غنا حرام ہے اور لاکھ فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ اس نے بھی میلانات کو رام نہیں کیا بلکہ ان کو سرکش بنا کر ابن آدم کو جنسی تحریکات اور سفلی جذبات کا صید زبوں بنا کر رکھ دیا۔ اس لئے بہتر ہے کہ مجوزین اپنے مفروضات اور اغلو طات پر نظر ثانی فرمائیں جو دراصل ان کی استدلالی لفظ پرستی یا واقعہ شماری ہے۔ حقائق کی نقاب کشائی نہیں ہے۔ ہم تو اب چاہتے ہیں کہ آئیے مل کر دلائل کتابی سے ہٹ کر نظامِ موسیقی کی تخلیقات کی عدالت کی طرف رجوع کریں۔ ہمارے نزدیک مجوزین کے قاضی شہر سے بھی یہ بڑا قاضی ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ لوگ جارح ہیں۔ یہ راہ انصاف کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

پرویزی حلقہ میں یہ آواز بھی گونج رہی ہے کہ ”اگر ایک آواز انسانی حلق سے نکلے تو جائز اور اگر وہی کسی ساز کے تاروں سے ابھرے تو ناجائز۔ آخر اس سے کیا فرق پڑ جاتا ہے؟ دراصل یہ بھی کم فہمی ہے۔ اگر دونوں ایک ہی چیز ہیں تو ساز کی ضرورت کیوں اور اگر ایک نہیں تو آپ کا فلسفہ غلط۔ اس کے علاوہ ہمارا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ حلق سے نکلے تو بجا اور ساز سے نکلے تو حرام (بلکہ یہ تو ایک تیسری چیز پیش کی جا رہی ہے) ہم تو آواز اور ساز دونوں کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اگر کہیں آواز اور ساز دونوں کا امتزاج ہو جائے تو خدا فراموش سرشاری کی ایسی بارش ہوتی ہے جس میں یہ سوختہ سماں سب بہہ جاتے ہیں اور ہزاروں بہہ گئے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم لکھتے ہیں:

”دہلی اور لکھنؤ کی سلطنتیں انہی خرمستیوں کی نذر ہو گئیں۔“ (کتاب الاخلاق ص ۲۵۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## مقام صحابہؓ

خواجہ عبدالمنان رازؒ

غلام محمد ﷺ غلام صحابہ	خوشامرتیہ و مقام صحابہ
پیام محمد ﷺ پیام صحابہ	کلام محمد ﷺ کلام صحابہ
معطر معطر مشام صحابہ	گل مجتبیٰ ﷺ سے گل مصطفیٰ سے
نہ ہودل میں گرا احترام صحابہ	سمجھ لو کہ ایماں مکمل نہیں ہے
محمد ﷺ ہیں ماہ تمام صحابہ	دلوں میں بجھی ان کے کیا چاندنی سی
ہے برحق حدیث مقام صحابہ	ستاروں کی مانند روشن ہیں سارے
ہیں زندہ جہاں میں بنام صحابہ	صدافت عدالت سخاوت شجاعت
خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے	
ہے کیا راز عالی مقام صحابہ	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



## دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تعلیم پر ایک نظر

حافظ عبدالرشید انصاری

قسط نمبر: ۲

### بعض درسی فنون کی تاریخ کا سرسری جائزہ:

ہمارے دینی مدارس کے نصاب پر کسی تبصرہ سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن علوم و فنون پر اس کا خاکہ مشتمل ہے ان کی عصری خصوصیات کا ایک مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے جس سے ان علوم کی صحیح افادیت اور حقیقی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ ہماری مروجہ نصابی کتب طلباء کی کیسی ذہنی تربیت کر رہی ہیں اور ایسی کتابیں کس حد تک اپنے فنی مقاصد پورے کر سکتی ہیں؟

### علوم عربیہ - نحو:

عربوں کو اپنی زبان پر فطری ملکہ ہونے کی وجہ سے نحوی قواعد کی چنداں ضرورت نہ تھی مگر عجمی اختلاط نے لسانی قواعد کے استخراج اور ان کی تدوین کو ناگزیر بنادیا۔ چنانچہ عرب میں جن قبائل کی زبان زیادہ معروف اور متداول تھی اور نسبتاً عمومی زبان کی حیثیت رکھتی تھی ان کی بولیوں سے عربی قواعد کا استخراج کیا گیا اور اس سلسلہ میں دو مکاتب وجود میں آئے جو ”بصری“ اور ”کوفی“ کے ناموں سے معروف ہیں۔ نحۃ بصرہ قیاس اور مماثلت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اس لئے مختلف فیہ مسائل میں کسی جزوی سماع کو الگ حیثیت دینے کی بجائے کسی مناسبت سے حتی الامکان توجیہ و تاویل کر کے کثیر الوقوع صورت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں اسے شاذ قرار دے کر ترک کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس نحۃ کوفہ جزوی سماع کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں اور نقل و روایت کا پاس کرتے ہوئے اسے مستقل حیثیت سے دینے سے نہیں جھجکتے۔

جب عربی زبان سے نحوی قواعد کے استنباط و استخراج کے بعد ان کی تدوین ہو چکی تو تہذیب و تنقیح کا دور آیا۔ اگرچہ ابتداء ہی سے بعض مخصوص وجوہات کی بناء پر عربی زبان اور متعلقہ علوم کی طرف زیادہ تر توجہ انہی لوگوں نے کی جو فلسفہ یونان سے متاثر تھے جبکہ محدثین اور فقہاء کتاب و سنت کی خدمت میں مصروف رہے لیکن اس دور میں یہ فلسفہ عربی علوم پر چھا گیا۔ اور دوسرے علوم کی طرح نحو میں بھی اس نے اتنا زور پکڑا کہ بالآخر استخراجی قواعد کی محض عقلی بنیادوں پر توجیہ کرنے اور اس میں مہارت کا کام نحو سمجھا جانے لگا۔ ابتداءً تو یہ عقلی توجیہات نکات بعد الوقوع کی حیثیت رکھتی تھیں اور کسی حد تک نحو میں مجتہدانہ بصیرت کا کام بھی دیتی تھیں لیکن بعد میں اصلی فن قرار پائیں جبکہ انہیں اصلی فن سے کوئی تعلق تھا نہ اس کی غرض و غایت سے۔ متاخرین خصوصاً اجماع میں تو نحو میں عقلی موشگافیوں نے اتنا زور پکڑا کہ یہ مضحکہ خیز بن گئیں آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں اسی قسم کی نحو کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ (ملاحظہ ہو یونانی علوم اور عرب / ص ۱۶۴ تا ۲۶۷ / وغیرہ)

### بلاغت:

کلمات کی صوتی خصوصیات، ان کے لغوی معانی اور ان کے استعمال کی نوعیت، مقام کے اعتبار سے ان کی حیثیت کا جاننا، جملوں کے اصناف اور ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



کے باہمی ربط، پھر مقام کے اعتبار سے اس ربط کی اہمیت کو پہچاننا، مختلف مواقع کے اعتبار سے اسالیب کلام اور طرز ادا کی خصوصیت اور ان اثرات کو سمجھنا جن کو وہ پیدا کرتے ہیں، فنِ بلاغت کا موضوع بحث ہے۔

کلام کو بلیغ بنانے کے لئے سامع اور متکلم کی نفسی کیفیات، ماحول کی خصوصیت، کلمات کلام اور طرز ادا کے اثرات کا جاننا اور ان سب کے تحت کلام کو مرتب کرنا امر ناگزیر ہے۔ اہل زبان میں کسی کلام کے بلیغ ہونے اور اس حیثیت سے اس کی قدر و قیمت کو سمجھنے کا مادہ عموماً فطری طور پر ودیعت ہوتا ہے۔ بلغاء کے کلام اور ان کے اسالیب پر نظر رکھنے سے خود بھی بلیغ کلام پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ ابتدائی عہد میں فنِ بلاغت کی تحصیل کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا گیا، بلیغوں کے کلام اور ان پر ادیبوں کے تنقیدی اور تقریظی اشارات جمع کر دیئے جاتے اور اس سلسلے میں مؤلف کو بھی جو کچھ کہنا ہوتا کہہ دیتا تھا۔ اس کے بعد دوسرا دور آیا جس میں کچھ عام اصول جمع کیے گئے لیکن بلاغت کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت خود بلغاء کے کلام کو ہی رہی۔ تقریباً چھٹی ساتویں صدی سے حالت بدلنا شروع ہوئی اور بجائے بلغاء کے کلام کے مستخرجہ اصولوں نے اہمیت حاصل کرنا شروع کر دی۔ بلغاء کے اسالیب اور جملوں نے شواہد و امثلہ کی حیثیت اختیار کر لی اور یہیں سے اس فن میں بھی جو د پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ طویل کلام خواہ وہ نظم ہو یا نثر اس کے اسالیب پر توجہ کرنا گویا متر وک ہی ہو گیا۔ بالآخر صرف یہ اصول رہ گئے اور ان میں عقلی موشگافیاں شروع ہو گئیں اور یہ فن بھی اپنی حقیقی حیثیت اور غرض و غایت سے محروم ہو گیا۔ بلاغت محض چند جامد اصولوں کی تلیخیص و تشریح اور دور از کار بحثوں کا نام ہو گیا۔ (مقدمہ ابن خلدون)

### علوم دینیہ - تفسیر:

قرآن عربی زبان اور سرزمین عرب میں نازل ہوا۔ صحابہؓ کے سامنے اتر۔ اس لئے وہ قرآنی زبان اور ان واقعات و حوادث سے اچھی طرح واقف تھے جن کے سلسلے میں اس کی آیتیں نازل ہوئی تھیں، علاوہ ازیں پورا قرآنی ماحول بھی ان کے سامنے تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر قرآن کریم کے معانی سمجھنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔ اس وقت قرآن کی تفسیر عموماً ان واقعات و حوادث کا بیان کر دینا تھا۔ جن سے کسی آیت کو تعلق ہو یا اس ماحول کے مطابق جس کسی لفظ، فقرے، جملے یا عبارت کا مفہوم بتانا یا کسی جزئی مثال کے ذریعے اسے واضح کر دینا یا ناخ و منسوخ کی تصریح و تشریح کر دینا وغیرہ۔ بعد میں حلقہ اسلام کی وسعت کے پیش نظر تفسیر میں مشکل الفاظ کی لغوی تشریح بھی داخل ہو گئی تھی۔ چنانچہ قرن اول و دوم کی تفسیروں کی یہی شان ہے۔ ابتدائی تفاسیر میں انہی مختلف روایتوں کو جمع کر دیا گیا ہے جو صحابہؓ یا نبی ﷺ سے منقول ہیں۔ بعض مفسرین نے صحت کا التزام کیا ہے اور بعض نے تمام رطب و یابس آئندہ کے انتخاب کرنے والوں کے لئے جمع کر دیا ہے۔ قرآن میں بہت سے اسرائیلی واقعات اور تلمیحات ہیں۔ عرب رفع استعجاب کے تحت ان کے متعلق اور ان کے ماسوا ابتداء خلق وغیرہ کے متعلق ان اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ بزرگ اپنی معلومات کے بقدر جو محدود اور بڑی حد تک عامیانہ اور غیر مستند ہوتی تھیں ان واقعات اور تلمیحوں کو یا دوسرے مستفسرہ واقعات کو بیان کر دیتے تھے۔ اس طرح بہت سی اسرائیلی روایتیں تفاسیر قرآن میں آ گئیں۔ اسی طرح مروجہ بائبل کے وہ واقعات جن کی قرآن نے تصدیق نہیں کی تھی، مسلمانوں میں شہرت پا گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دوسرے دور کے مصنفین نے اپنی طبعی مذاق کی بنا پر قدیم تفاسیر یا تفسیری روایتوں سے جو بلا پرکھے انتخاب کر لیا تھا، بعد کے مصنفین ان سے اچھی طرح چمٹے رہے۔ عقلی دور شروع ہونے کے بعد مختلف عقلی مفادوں کی حمایت کی بنا پر تفاسیر بھی فلسفیانہ تخیلات کی آماجگاہ بن گئیں۔ چنانچہ آج کے دور میں مطالب قرآن کو یونانی اوہام سے جدا کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

اسلام میں غیر عربی عناصر کے داخل ہونے کے بعد تفسیریں لسانی نقطہ نظر سے بھی لکھنا شروع ہو گئیں۔ ان تفاسیر میں الفاظ کی نحوی، صرفی اور لغوی حیثیت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ بعض کتب تفاسیر میں ماسوا تفسیر قرآن کے سبھی کچھ موجود ہے۔ (الغزالی۔ مولانا شبلی نعمانی ص ۸۸ مطبوعہ انجمن حمایت اسلام لاہور)

### عقائد و کلام:

عربی ذہن بدویت اور سادگی کی بنا پر خدا تعالیٰ اور اس کی تزیینی و تشبیہی صفات کو باریک بینی اور توجیہ و تاویل کے بغیر اسی طرح تسلیم کرتا تھا جس طرح وہ ثابت تھیں۔ اس سلسلہ میں ہر دقیقہ سنجی اور غور و خوض بدعت خیال کیا جاتا تھا۔ یہی حالت کائنات کی ان توجیہوں کے سلسلہ میں تھی جو نبی علیہ السلام سے مروی تھیں یا قرآن مجید میں مذکور تھیں۔ جب مختلف قومیں اور طبقے اسلام سے وابستہ ہوئے اور دوسری طرف غالباً اول یونانی علوم و فنون اور پھر ایرانی اور ہندی خیالات مسلمانوں میں جا گزریں ہونا شروع ہوئے تو اسلامی معتقدات کے متعلق اس سادہ اور بدیانہ نقطہ نظر (جو عملی قوموں کا خاصہ ہے) تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔ یہیں سے علم کلام کی ابتداء ہوتی ہے اور اعتقادی مسائل میں خالص محدثانہ طرز کی مقبولیت میں فرق آنا شروع ہو جاتا ہے۔ (الغزالی، بحث قدیم علم کلام)

ایسے سوالات پیدا ہونے لگے کہ جو چیزیں بلا تشریح و تفسیر تسلیم کر لی جاتی تھیں ان کی تشریح کرنا پڑی۔ اس طرح بہت سی شریعات نفیاً یا اثباتاً عقائد میں داخل ہو گئیں۔ علوم عقلیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ عقائد کا باب بھی وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ عقائد کی عقلی توجیہوں کی وجہ سے کلامی مباحث میں فلسفیانہ قسم کی الہیات شامل ہو گئیں۔ اسی طرح علم کلام ایک تجریدی اسلامی فلسفہ بن گیا۔ اور متعدد مکاتب فکر پیدا ہو گئے۔ جن کے منتسبین نے علم کلام میں بھی خالص مکتبی حیثیت پیدا کر دی لیکن بایں ہمہ ایک جماعت ایسی بھی رہی جو عقائد کے باب میں سلف کی بالکل اسی طرح تبع رہی اور ہر قسم کی موشگافیوں، فلسفیانہ توجیہوں کو اثباتاً یا نفیاً تسلیم کرنے سے انکار کرتی رہی مگر اس عقلی شور و شغب میں اس جماعت کی حیثیت برابر کم سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ بالآخر چوتھی پانچویں صدی میں جب علم کلام بالکل خالص الگ الگ مکتبی حیثیت میں مستحکم ہو گیا اور لوگوں نے کسی نہ کسی مدرسہ خیال سے وابستگی کو ضروری خیال کر لیا تو سلف کے انداز پر کاربند رہنے والوں کی تعداد بہت معمولی رہ گئی۔

### اصول فقہ:

اصول فقہ سے مراد ایسے اصول ہیں جن کی بنا پر دلائل شرعیہ قرآن و حدیث اور اجماع امت سے مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ مختصر لفظوں میں اصول فقہ، اصول اجتہاد کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ جس کسی نے بھی سب سے پہلے کسی مسئلہ کا استخراج کیا ہو گا اس کے لئے اس کے ذہن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں خواہ غیر شعوری طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی نہ کوئی اصول ضرور ہو گا لیکن جب ضرورتیں بڑھیں اور اصول شرعیہ اپنی مختلف اور متضاد صورتوں میں سامنے آئے اور ترجیح، تعارض نیز مختلف محتملات استنباط کی طرف مجتہدین کی نظریں پڑیں اور مختلف مدارس اجتہاد نے اس سلسلہ میں اپنے نقطہ ہائے نظر پیش کیے، مجتہدین یا ان کی طرف منسوب علماء نے اپنے اپنے اصول اجتہاد مدون کیے تو ہر دائرۂ اجتہاد و مکتب خیال کے اصول الگ الگ ہو گئے۔ گویا ایسا نہیں ہے کہ ہر دائرہ کے اصول دوسرے کے اصول سے کلیۃً متضاد ہوں تاہم متعدد اصول میں باہم خاصا اختلاف ہے۔ ایسی صورت میں اصول فقہ ایک ایسا فن ہے جس میں ابتداء سے ایک خاص نقطہٴ مدرسیت آگیا اور مجتہدین کے استخراجی اصول منتسبین کے لئے اصول موضوعہ کی حیثیت اختیار کر گئے۔ (فقہ اور اصول فقہ)

### فقہ:

صحابہ بلکہ تابعین تک بھی فقہ میں خاص مدرسی رنگ نہیں آیا تھا رواۃ حدیث عام ازیں کہ صاحب اجتہاد ہوں یا نہ ہوں ایسے مسائل جن کے متعلق ان کی مرویات میں صحیح احادیث موجود ہوتیں، احادیث کی سند پر فتویٰ دے دیتے تھے۔ جن مسائل کے متعلق ان کی مروی احادیث نہ ہوتیں تو اپنے سے زیادہ احادیث جاننے والوں کی طرف رہنمائی کر دی جاتی۔ اور اگر کسی مسئلہ کے متعلق مستند احادیث موجود نہ ہوتیں تو مجتہدین صحابہ منصوص مسائل پر قیاس کر کے فتویٰ دے دیتے تھے۔ سائلین کے نزدیک کسی مخصوص صحابی کی اس معنی میں تقریباً کوئی اہمیت نہ تھی کہ وہ تمام تر پیش آمدہ مسائل میں اسی کی طرف رجوع کریں یا اگر ایک دفعہ کسی مسئلہ میں کسی صحابی کی طرف رجوع کیا ہے تو آئندہ ہمیشہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے بلکہ اتفاق و سہولت کے تحت ہر اہل علم کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ تابعین کے آخر عہد میں مدارس اجتہاد پیدا ہونے شروع ہو گئے جن میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ تیسری چوتھی صدی تک جب فقہ پر پوری طرح مدرسیت چھا گئی اور مختلف مجتہدین کے اصول و فروع منضبط ہو گئے تو لوگ اپنے آپ کو کسی نہ کسی مجتہد سے وابستہ کرنے لگے۔ تقریباً چھٹی صدی میں عام طور پر مجتہدین ائمہ اربعہ (مالک، شافعی، ابو حنیفہ اور احمد) کے مدارس اجتہاد تسلیم کر لیے گئے اور لوگ اپنے آپ کو ان میں سے کسی نہ کسی کی طرف منسوب کرنا ضروری سمجھنے لگے۔ (مقتبس از تقریر استاذ الاساتذہ حافظ محمد صاحب گوندلوی بتقریب بخاری شریف ۱۹۷۱ء جامعہ سلفیہ لائل پور)

فقہ میں مدرسیت آنے کے بعد فقہی تصانیف میں بھی مدرسیت ناگزیر تھی چنانچہ بالکل ابتدائی تصانیف کو چھوڑ کر عموماً فقہی کتب کسی نہ کسی خاص فقہی مدرسے سے متعلق ہو گئیں اور بالآخر کتب فقہ میں سے اجتہادی نقطہٴ نظر بالکل ہی مفقود ہو گیا۔ جب تک فقہی مدارس کی ابتدائی تصانیف نہ ہوں اس وقت تک پڑھنے والے میں اجتہادی تخیل پرورش نہیں پاسکتا۔

### علوم عقلیہ (منطق و فلسفہ):

مسلمانوں میں منطق و فلسفہ کا داخلہ اموی دور حکومت میں شروع ہوا اور عباسی دور حکومت میں اس کی تکمیل ہوئی۔ شام کے عیسائی، صابی اطباء اور متکلمین ان کے داخلے کا ذریعہ تھے۔ یہ لوگ بالعموم فلسفی نہ تھے اس لئے ان کے تراجم میں فلسفیانہ حیثیت سے صحت بہت ہی مستعبد ہے۔ اکثر خود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ان کا ماخذ بھی تراجم تھے یا یونانی فلاسفہ کے خیالات لیکن مخلوط۔ مزید برآں بعض کتابیں غلط طور پر مصنفین کی طرف منسوب۔ بہر حال یہ ذخیرہ تھاجو مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور اس پر انہوں نے اپنی عمارتیں کھڑی کر لیں جو ارسطو اور افلاطون کے سر منڈھ گئیں۔ تاہم ابتداءً فلسفیانہ خیالات ایک حقیقی اور معنوی حیثیت کے حامل تھے مگر آٹھویں صدی میں آکر ان کی یہ حیثیت بھی ختم ہونے لگی۔ اور لفظی مباحث نے ان کی جگہ لینا شروع کر دی۔ بالآخر ابتدائی مسلم فلاسفہ کے خیالات کو یونانی فلاسفہ کے خیالات کی تشریح کے طور پر پیش کیا جانے لگا اور انہیں بے چون و چرا تسلیم کیا جانے لگا اور اس کے بعد لفظی دقیقہ سنجیوں کا برابر اضافہ ہوتا رہا۔ (یونانی علوم اور عرب، گیارہواں باب (سیاسی انقلاب ص ۲۶۸) بارہواں باب ص ۲۸۱)

### مروجہ نصاب تعلیم پر ایک سرسری تنقیدی نظر:

حدیث و قرآن کو چھوڑ کر پورے مدارس عربیہ میں مروجہ نصاب تعلیم پر نظر ڈال لیجئے۔ ان کتابوں کے ایک بڑے حصے کی تصنیف آٹھویں صدی سے چودھویں صدی تک کے عرصہ کی ہے جو حصہ اس دور سے قبل (ساتویں صدی) کی تصنیف کا ہے وہ اکثر زیر درس نہیں ہیں اور جو ہیں ان کی ذاتی حیثیت کچھ نہیں ہے بلکہ ان کی شروع ہی سب کچھ ہیں جو بعد کی صدیوں کی تصانیف ہیں جیسے شرح عقائد نسفی وغیرہ۔ اس تقسیم سے حدیث و ادب کو ہم نے قصداً خارج کر دیا ہے۔ متون حدیث پر مصنفین کے زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ بقول ابن خلدون علیہ الرحمۃ کسی علم میں مہارت پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس علم کے مبادی قواعد اور مسائل پر حاوی ہو جانے کی قدرت اور اس کے اصول سے فروع کو استنباط کرنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔ جب تک یہ ملکہ پیدا نہ ہو اس فن میں مہارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ (مقدمہ ابن خلدون۔ الفصل السادس من الکتاب الاول فی العلوم واصنافہا والتعلیم وطرقہ۔ الفصل الثانی ص ۴۳۰)

اگر ہمارے مدرس کے مروجہ نصاب تعلیم کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ نہ صرف یہ نصاب علمی مہارت پیدا کرنے سے قاصر ہے بلکہ علم کے صحیح مذاق سے آشنا بنانے کے لئے بھی ناکافی ہے۔

ہمارے نصاب مروجہ مدارس میں نحو میں کافی کم و بیش تمام مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ اولاً تو کافیہ تمام نحوی مسائل پر حاوی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے اختصار کی وجہ سے اس قدر مشکل ہے کہ طلبہ کے دماغ پر محض مطلب سمجھنے سے ہی غیر معمولی بار پڑ جاتا ہے۔ اکثر طلبہ تو اس کے نہ سمجھنے کو اپنی کند ذہنی پر محمول کرتے ہیں۔ جو ان کی ذہنی نشوونما میں بڑی حد تک حائل ہو جاتا ہے اور بالآخر نتیجہ احساس کمتری کی صورت میں نکلتا ہے۔ کافیہ کے بعد بعض مدارس میں شرح جامی داخل نصاب ہے۔ اس دور میں 'شرح' کی تصنیف کا مقصد جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں مسائل کی وضاحت نہیں ہوتا تھا لہذا اس اعتبار سے تو شرح جامی مفید ہے ہی نہیں کہ وہ مسائل نحو پر حاوی ہو، مزید برآں وہ اس اعتبار سے بھی مفید نہیں کہ اس سے نحوی مسائل کی تحقیق اور اخذ و استنباط میں مدد ملتی ہے۔ گویا کہ نہ تو نحو کی غرض و غایت اور اس کے علم آلی ہونے کے اعتبار سے فائدہ بخش ہے اور نہ ہی فن نحو کی اصولی اور ذاتی حیثیت کے اعتبار سے۔ اس میں بجائے اس کے کہ مسائل نحویہ کے دلائل اہل زبان کی بول چال سے اخذ کرنے کی اہمیت پر زور دیا جائے اور ان کی صحت و ترمیم کو اہل زبان سے سماع پر رکھا جائے عقلی توجہیں اور موٹگافیاں کی گئی ہیں جس سے طلبہ میں ایک فنی، مذاق کی بجائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



ایک غلط اور غیر فنی مذاق جنم لیتا ہے۔

یہی صورت فنِ بلاغت کی ہے۔ آٹھویں صدی کی صرف ایک کتاب (تلخیص المفتاح) اپنی دونوں شروح کے زیر تدریس ہے اور وہ بھی نامتوم۔ فنِ بلاغت کا جو سرسری خاکہ ہم نے پیش کیا ہے اس کو اور متاخرین کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر غالباً یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ کتابیں کسی حیثیت سے بھی مفید نہیں ہیں۔

مروجہ نصاب میں جو کتب تفاسیر شامل ہیں وہ نہایت ہی مختصر ہیں اور صرف ترجمے کی حد تک مفید اور کار آمد ہیں لیکن اصل قرآن فنی میں (جو تفسیر کا اصل مقصد ہے) ان کتب سے زیادہ مدد نہیں ملتی۔ اس اختصار کے باوجود بھی ان میں اسرائیلیات اور یونانی اوہام مخلوط ہیں۔ صحیح روایات کا التزام نہیں ہے بلکہ اکثر مقامات پر تو یہ سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ اگر اسرائیلی روایات سے قطع نظر کر لی جائے اور یونانی تصورات علیحدہ کر لیے جائیں تو خالص عربی اسلوبِ عبارت اور لسانی اصول و قواعد کے تحت ان کا مفہوم کیا ہو گا؟ اور قرنِ اول میں اس کا کیا مفہوم سمجھا جاتا تھا۔ قرآن کریم میں نہ تو صحیح غور و تدبر کی مشق ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے حقیقی حدود متعین ہوتے ہیں بلکہ برخلاف اس کے رہے سہے راستے بھی بند ہو جاتے ہیں۔

عقائد و کلام میں جن کتابوں کی تدریس ضروری خیال کی جاتی ہے ان کے ذریعہ اسلام کے ان حقیقی اور بنیادی معتقدات و خیالات تک رسائی حاصل کرنا، جن پر اسلام موقوف ہے، بہت دشوار ہے۔ ان 'عقائد' اور ان کی تشریحات اور عقلی توجیہوں کا ڈھانچہ وہ ہے جو اس دور کی مختلف مذہبی فرقوں کی آویزشوں اور فلسفیانہ خیالات کی ذہنی کشمکشوں کے تحت تیار ہوا ہے لہذا اگر وہ کبھی مفید تھا تو اب نہیں رہا۔ اس لئے کہ نہ وہ مذہبی فرق موجود ہیں اور نہ ہی ان فلسفیانہ خیالات کی کشمکش ہے۔

فقہ اور اصولِ فقہ جس صورت میں مروج ہیں اور ان کی جو کتابیں موجودہ نصاب میں شامل ہیں وہ اس اعتبار سے نہایت ہی مایوس کن ہیں کہ ان کی نوعیت محض ایک جامد اور تقلیدی فن کی ہو کر رہ گئی ہے جن سے اجتہاد اور اخذ و استنباط کا ملکہ پیدا ہونا تقریباً ناممکن ہی ہے گویا فقہی مسائل اور اصولِ مسلمہ حقائق ہیں جن پر مکرر غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

منطق و فلسفہ وغیرہ عقلی علوم میں جو کتابیں زیرِ درس ہیں ان کی کیفیت گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے جس سے اجالی طور پر یہ معلوم ہو گا کہ ان میں سے متون و مسائل پر حاوی ہیں جن میں سے بعض اپنے اختصار کی وجہ سے بہت دشوار ہیں لیکن شروح میں صرف لفظی مباحث اور نکتہ آفرینیاں ہیں۔

علاوہ ازیں ان علوم و فنون میں جو ترمیمیں اور اصلاحات، اضافے اور تنسیحات ہو چکی ہیں (اصولی بھی اور فروعی بھی) وہ قطعاً محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ ہیئتِ کلیہ بدل چکی، طبعیات بدل چکی، منطق پر تنقیدی تجزیہ ہوا، اضافے ہوئے، فلسفہ کے مختلف شعبے مستقل بن گئے۔ حساب میں متعدد نئے قاعدوں کا اضافہ ہوا اور ان کے عملوں میں متعدد نئی سہولتیں پیدا ہوئیں لیکن ہمارا نصاب ابھی تک ان تمام تبدیلیوں سے بے خبر ہے اور ہم ان فنون سے ان کی قدیم اور جامد شکل میں چپے ہوئے ہیں۔ گویا عقلی اور تجرباتی علوم بھی الہامی اور منصوص ہیں جن میں ہر قسم کی ترقی اور حرکت ختم ہو چکی ہے اور یہ تکمیل کے اس نکتہ پر پہنچ گئے ہیں جن میں صرف لفظی مباحث اور عقلی نکات رہ گئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## طرز تعلیم پر ایک نظر:

مکتبوں میں کہیں عنائی افکار بھی ہے؟ خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے؟

آج کل ہمارے مدارس کی تمام تر تعلیم کتابی ہے۔ جن فنون کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کی صرف کتابیں ہی پڑھائی جاتی ہیں۔ داخل درس کتابوں کو ہی اصل فن خیال کیا جاتا ہے۔ بالعموم اساتذہ کرام کے اپنے معلومات بھی فنی ہونے کی بجائے مخصوص کتب پر ہی منحصر ہوتے ہیں۔ اور وہ خود بھی نئی فنی معلومات اور ارتقائی حرکتوں سے اتنے ہی ناواقف ہوتے ہیں جتنے طلبہ۔ ان کی فنی بصیرت اور علمی مہارت کے معنی مخصوص اور زیر درس کتب اور ان کے حواشی کا علم ہے۔ طالب علم زیر درس کتب کو پڑھتا ہے اور استاذ اس مقام پر اپنی تقریر کرتا ہے۔ اس تقریر میں نہ صرف کتاب کی عبارت ہی زیر نظر ہوتی ہے۔ بلکہ وہ تقریر خالص اس عبارت کا ترجمہ ہوتا ہے اور صرف، نحوی اور بعض اوقات لغوی حیثیت سے اس عبارت پر جو اعتراضات ہوتے ہیں ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ اساتذہ خود بخود کتب پر تنقیدی نظر ڈال کر اس پر علمی اعتراضات کریں۔ ہمارے تدریس میں عموماً فن سے غیر متعلق اعتراضات کر کے ان کے جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے جیسے، یہ مسئلہ صاحب کتاب نے پہلے ذکر کیوں کیا ہے اور یہ بعد میں کیوں؟ اور اس کی تعریف تقسیم سے پہلے کیوں کر دی ہے؟ وغیرہ ذالک و کثیر ماحی۔ دورانِ درس طلبہ کو صرف یہی حق ہوتا ہے کہ وہ اساتذہ کی تقریر یا اصل کتاب پر اعتراض کریں جس کا جواب دینا اساتذہ کا فرض ہوتا ہے۔

ذہین طلبہ اپنے اس حق کو استعمال بھی کرتے ہیں جس پر کتاب کی اصل عبارت کے نکات بیان کیے جاتے ہیں اور الفاظ فقروں اور جملوں تک کی توجیہ ہوتی ہے۔ گویا مصنف نے ہر لفظ اور ہر طرز تعبیر کو نہایت سوچ سمجھ کر اور عجیب و غریب فوائد کو پیش نظر رکھ کر اختیار کر لیا ہے۔ حالانکہ عام قاری کی نظر کسی ایک کی طرف بھی ان میں سے بآسانی نہیں جاسکتی اور عموماً یہ سب نکات پہیلیاں ہوتی ہیں۔ اسی اثناء میں اس مقام پر اگر کچھ فنی اعتراضات ہوتے ہیں اور ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ تو وہ سب بھی قدیم روایات اور متاخرین کی تشریحات کے تحت ہی ہوتے ہیں ورنہ ان کی حقیقی نوعیت بڑی حد تک مشتبہ ہوتی ہے۔ دوسرے مصنفین کی تشریحات سے جو تعارض پیدا ہوتا ہے۔ اس کی توجیہ کی کوشش تو کی جاتی ہے جو عام طور پر کامیاب باہمی تطبیق پر منتج ہوتی ہے لیکن ان تطبیقات میں اصل مفہوم او جھل ہوتا رہتا ہے۔

کتاب کی ہر ایک سطر پر اساتذہ کرام اس نوعیت کی تقاریر ہفتوں بلکہ مہینوں تک کر سکتے ہیں جو ان کی قابلیت کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ بعض قدیم اساتذہ جو یک فنی ہونے کی بجائے یک کتابی بھی ہوتے ہیں وہ واقعتاً مہینوں تقریر کرتے بھی ہیں۔ ہمارے ایک مشفق اور مہربان شرح جامی کا درس ۳۷ بار دے چکے ہیں اور وہ اس پر بے حد نازاں ہیں۔ بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ شرح جامی کے ہر ہر جملے پر کئی کئی روز بلاتاری تقریر کر سکتے ہیں۔ لیکن اکثر اساتذہ اس قدر ”ماہر“ نہیں ہوتے تاہم بعض مقامات کی تقاریر تو وہ بھی دو دو تین تین روز تک چلا ہی سکتے ہیں۔ اب چونکہ یہ ”مہارت“ کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اساتذہ اور طلبہ دنیا بھر کی شروح اور حواشی نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی اس قدر مطالعہ کر سکتے ہیں اس لئے تقریر میں اختصار بڑھتا جا رہا ہے۔

اگرچہ ایک روشن خیال طبقہ اس طرز تدریس سے متنفر ہے۔ ان کی کشش ہے کہ محض کتاب کو اس کے مطالب تک پڑھانے کی کوشش کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



جائے۔ گو یہ طریقہ عام طلبہ کے لئے دلکش نہیں ہے اور قدیم اساتذہ کے نزدیک علمی مہارت کے خلاف ہے مگر یہ 'جدت پسند' اساتذہ اس قدر آگے بڑھے ہیں کہ اصلاح کی بجائے محض ترجمے میں آن پڑے ہیں۔ ان کے نزدیک تعلیم کی آخری سیڑھی معمولی تشریحات سے کتاب کا لفظی ترجمہ کر دینا ہے۔ جو طلبہ کے اذہان کے لئے مزید زہر قاتل ہے۔ کتب دہی قدیم، طرز تعلیم جدت میں ڈھلی ہوئی اور علم سے کراپن اس تعلیم کی خصوصیات ہیں۔ بہر حال ہمارے قدیم مدارس کا یہ طرز تعلیم اپنی اصل کے اعتبار سے متاخرین کے اس طرز تحشیہ سے مانو ذہے جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ طریق درس (جو اب کچھ تبدیل ہوتا جا رہا ہے خدا کرے اصل اہمیت کی طرف تبدیل ہو) کسی حیثیت سے بھی مفید اور نفع بخش نہیں ہے۔ نہ تو طلبہ میں فنی بصیرت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی کتاب فہمی کی استعداد۔ نہ مسائل یاد رہتے ہیں اور نہ ہی مباحث، مسائل اور مباحث آپس میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔ نیز مباحث اپنے تنوع اور طوالت کی وجہ سے حافظے میں محفوظ نہیں رہ سکتے اور اس طویل مددرس میں جو کم از کم استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اس کو تکمیل درس کے بعد تا وقتیکہ از سر نو مطالعہ اور کتب بینی سے ترقی نہ دی جائے تو یہ بالکل بے کار رہتی ہے بلکہ کچھ عرصہ بعد ضائع ہو جاتی ہے۔

### نصاب تعلیم کے اثرات طلبہ پر:

طلبہ پر اس طرز تعلیم، نصاب اور ماحول کا یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ ان میں قدامت پرستی اور جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ کج بخشی، لفظی دیدہ ریزی اور نکتہ چینی کی عادت ہو جاتی ہے۔ تجربہ واستقراء اور عام تفحص کا بلکہ بالکل ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اصل فنون سے قدیم و جدید دونوں حیثیتوں سے بیگانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی شے کو اس کی حقیقی شکل میں دیکھنے کی طاقت چلی جاتی ہے۔ فنون کے اصل ماخذوں کا علم نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی جائے تو فائدہ اٹھانے کی مہلت میسر نہیں آتی اور اگر یہ سب بھی ہو وہ خلاف ذوق واقع ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ذہنی قوتوں کا نشو و نما ضرور ہوتا ہے مگر غلط سمتوں میں اور یہ نشو و نما تا وقتیکہ صحیح سمتوں کی طرف منعطف نہ ہو جائے، علمی اور عقلی حیثیت سے غیر مفید اور عام حالات میں مضر ہے۔ خصوصاً موجودہ مادی اور عقلی دور میں۔ (جاری ہے)

## بڑھ جاتے ہیں اشغال تو راحت نہیں رہتی

### بڑھ جاتے ہیں اشغال تو راحت نہیں رہتی

(عبدالرحمن عاجز)

ایمان کی جب دل میں حرارت نہیں رہتی	حق بات کے اظہار کی جرأت نہیں رہتی
جب پاس کسی کے بھی یہ دولت نہیں رہتی	پھر حال پہ کیوں اپنے قناعت نہیں رہتی
جب اپنی خطاؤں پہ ندامت نہیں رہتی	پھر کوئی بھی اصلاح کی صورت نہیں رہتی
آ جاتے ہیں جب اپنے گناہ اپنی نظر میں	پھر دل میں کسی سے بھی کدورت نہیں رہتی
بڑھتا ہے اگر مال تو بڑھ جاتے ہیں اشغال	بڑھ جاتے ہیں اشغال تو راحت نہیں رہتی
کر لیتا ہے اصلاح جو اعمال کی اپنے	اس شخص پہ پھر کوئی ملامت نہیں رہتی
عریانی و فحاشی دکھائی نہیں دیتی	جب نور نگہ، دل کی بصیرت نہیں رہتی
صحت ہو کہ بیماری فقیری کہ امیری	انسان کی قائم کوئی حالت نہیں رہتی
ہو جائے بشر مرضی مولا پہ رضامند	پھر کوئی مصیبت ہو مصیبت نہیں رہتی
انسان کی صورت میں درندہ ہے وہ انسان	انسان سے جس انساں کو محبت نہیں رہتی
گھر جاتا ہے ہر ایک برائی میں وہ عاجز	
نیکوں کی میسر جسے صحبت نہیں رہتی	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## روشن دور کی تاریکیاں

مادی سائنس اور فلسفے کے شاخصانے

قسط: آخری

جناب ریاض الحسن نوری ایم۔ اے۔

### جدید تہذیب اور قتل جنین (۲):

قتل جنین (Abortion) کا رائج العام ہونا نہ صرف کسی معاشرے کے جنسی فساد کا ثبوت ہوتا ہے، بلکہ فطرت سے یہ طریق تصادم بتاتا ہے کہ انسانیت کے اعلیٰ جذبات اور قیمتی اقدار کی تباہی ہو چکی ہے۔ مغربی معاشروں میں قتل جنین ایک کھیل بن چکا ہے۔ وہاں ادارہ ہائے اسقاط کو لفظ ”مل“ (Mill) بہ معنی کارخانہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی کارخانہ ہائے قتل انسان نامولود۔ ان ترقی یافتہ اداروں کی رفتار کار اتنی تیز ہے کہ ’مریضہ‘ داخل ہونے کے آدھ گھنٹے بعد اپنے بار رحم سے فارغ ہو جاتی ہے۔ ایک پرومیشن افسر نے ایک ڈاکٹر سے دریافت کر کے بیان کیا ہے کہ وہ ہفتہ کے روز ایسے کیس ۴۵ کر لیتا ہے۔ اوسطاً اس خدمت کو انجام دینے والے ڈاکٹر سالانہ ۵،۴ ہزار کیس کرتے ہیں۔ بہت سے کیس پر ایویوٹ اداروں کے پاس جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی معاملہ بگڑ جائے تو پھر سرکاری ہسپتالوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر مغربی دنیا میں قتل جنین یا اسقاط کے واقعات کی سالانہ تعداد لاکھوں سے گزر کر کروڑوں تک پہنچتی ہے۔

روس میں ۱۹۵۵ء تک اسقاط کرنا کرنا خلاف قانون تھا لیکن ۲۳ نومبر ۱۹۵۵ء کو ایک قانون کے ذریعے مستند (qualified) ڈاکٹروں کے ہاتھوں اسقاط کرنا جائز کر دیا گیا۔ روس میں رہائشی انتظامات کی کمی، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی یکجائی اقامت اور مرد وزن کے اختلاط عام نے قتل جنین کی مصیبت آہستہ آہستہ عام کر دی ہے۔ پہلے غیر قانونی صورتوں میں اور اب قانونی راستے سے!<sup>1</sup> خیال رہے کہ جدید تہذیب کے یہ حالات برتھ کنٹرول کے باوجود ہیں جس کا نیا خوبصورت نام ترقی پذیر ممالک کے لئے فیملی پلاننگ تجویز کیا گیا ہے۔

### جنسی گندگی:

کسی نظریہ حیات اور تہذیب کی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی انسان کو اچھا انسان بنا سکے۔ اسے خواہشوں کی غلامی کی پستی سے اٹھا کر خواہشوں کو اخلاقی انضباط میں رکھنا سکھائے۔ بصورت دیگر جو نظام یا تہذیب انسان کو خواہشوں کی سواری بنا دے، اس کے دوں نہاد ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ خصوصیت سے کسی معاشرے میں جنسی میلانات کے لئے اگر حسن انضباط نہ پایا جاتا ہو تو وہ حیوانی سطح تک گر جاتا ہے۔

<sup>1</sup> The Soviet Regime – by W.W. KULSKI (P.156) افسوس یہ ہے کہ وحی کی روشنی کے بغیر یہ تاریکیاں انہیں محسوس بھی نہیں ہوتیں اور اگلے پچھلے سبھی عقل کے پجاری انہی گڑھوں میں گرتے ہیں۔ یہاں توجہ دہش تہذیب کا ذکر ہو رہا ہے۔ پرانا عقل کا پرستار فلسفہ بھی ایسی ہی گمراہیوں کا مبلغ رہا ہے جیسا کہ اس بارے میں افلاطون کے اس مشورے سے ظاہر ہے کہ فالتو بچے قتل کر دیئے جائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس معاملے میں یورپ کا حال یہ ہے کہ ایسے واقعات شاذ و نادر نہیں ہیں کہ بہن بھائی آپس میں ناجائز تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ امریکہ میں یہ رواج پھیلتا جا رہا ہے کہ مرد آپس میں ہفتہ عشرہ کے لئے اپنی بیویاں بدل لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں ”پگڑی بدل بھائی“ کا محاورہ تھا۔ امریکہ میں اب ”بیوی بدل دوست“ کا نیا محاورہ تشکیل پا رہا ہے۔ گرل فرینڈ کار کھنا تو شرافت و شائستگی کی ایک عام نشانی ہے۔ یہ حال ہے ان ممالک کا جو اسلام کے قانون تعدد ازدواج (جو محدود بھی ہے اور مشروط بھی) پر حرف رکھتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی معاشروں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والے شاذ و نادر افراد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، اور مغرب کی عشقیہ دوستی اور لا تعلق بلا نکاح کا ہزارواں حصہ بھی رائج نہیں۔

سفید کھال اور جدیدیت کے ظاہری خول کے پیچھے یورپ میں انتہائی گندہ آدمی پایا جاتا ہے جو نہ رفع حاجت کے بعد استنجاء کرنا جانتا ہے، نہ غسل جنابت کا پابند ہے اور نہ کھانے کے بعد کلی کرنے کے آداب سے آشنا ہے۔ اس ”مہذب آدمی“ کے اطوار کا نقطہ عروج یہ ہے کہ زوجین اور گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ ایک دوسرے کے خفیہ اعضاء کو چاٹنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے اور اس گھناؤنے اور کریہہ فعل میں امریکہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغ شدہ مرد و زن میں سے تقریباً ساٹھ فیصد بری طرح مبتلا ہیں۔<sup>2</sup> یہی نہیں بلکہ یورپ کے ماہرین جو شادی شدہ لوگوں کے لئے بزم خود سائنٹیفک ہدایات پر کتابیں لکھتے ہیں۔ وہ اپنی کتابوں میں اس قبیح اور غلیظ فعل کی نہ صرف تحریک پیدا کرتے ہیں بلکہ اسے عین تقاضائے فطرت قرار دیتے ہیں۔ ہاں ان کے نزدیک اس فعل کو صرف اس صورت میں غیر فطری کہا جاسکتا ہے جبکہ یہ اصل فعل یعنی جماع کا قائم مقام بن جائے اور صرف اسی پر اکتفا کی عادت ہو جائے۔<sup>3</sup>

### بیعت کا انوکھا طریقہ:

آج کل ہی نہیں بلکہ قرون وسطیٰ میں بھی یورپ میں بہت سے عیسائی مذہبی فرقے اور جماعتیں ایسی تھیں جن میں بیعت کا طریقہ یہ رائج تھا کہ

<sup>2</sup> 1: Caprio M. D. in his book Variations Sexual Behaviour Page. 266

<sup>3</sup> Ideal Marriage by Vele. M.D. Published by Heinemann Medical books Page 148, 149.

قارئین کو متعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ گندگی تو پورے پین نسلوں کا قدیم خاصہ ہے۔ جو لوگ اعضائے تناسل کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان اعضاء کی گندگی سے پرہیز کے کیا معنی؟ چنانچہ ریفر کپریو (Refer Caprio M.D) اپنی کتاب ”Variations in Sexual Behaviour“ کے صفحہ ۲۰۹ میں ایک امریکی کا بیان لکھتا ہے:

”I swallowed the semen during excitement“

یعنی میں نے جوش میں آکر مادہ تولید کو بھی نگل لیا۔ نیز اس کتاب میں امریکہ کے ایسے لوگوں کا ذکر بھی ہے جو دوسروں کو یا اپنی بیویوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے منہ میں پیشاب کرو اور اس طرح پیشاب سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ص ۷۸-۲

مندرجہ بالا نجس عادات و افعال کے علاوہ بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو آج کل کی اس مہذب اور متمدن قوم میں پائی جاتی ہیں اور جن کا ذکر بھی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ تاہم چند باتیں اس لئے درج مضمون کر دی گئی ہیں کہ موجودہ دور میں یورپ کی تقلید میں اندھا دھند بھاگنے والے مسلمان، تہذیب یورپ کے ان ناؤ شاہکاروں سے واقف ہو کر باسانی یہ اندازہ لگاسکیں کہ جو لوگ بہ ظاہر ایک پلیٹ میں مل کر کھانا کھانے کو صفائی کے منافی اور اصول صحت کی روس قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا باطن کس قدر غلیظ اور مکروہ ہے۔ تعجب ہے کہ اس قدر نجس اقدار کے حامل لوگ مسلمانوں پر ایک برتن میں کھانے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی وجہ سے عن کرتے ہیں حالانکہ جدید سائنس بھی جس پر ان کو بہت ناز ہے سچے کے بجائے ہاتھ سے کھانے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کو صحت وار نظام ہضم کے لئے نہایت مفید قرار دے چکی ہے۔ (ادارہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مرید کو مرشد کی مقعد کا بوسہ لینا پڑتا تھا۔

دریں حالات ہم کہتے ہیں کہ ایسی گندہ اور نجس قوموں کے ہاتھ کے ذبیحے کا تو سوال ان کے ہاں کے بنے ہوئے بسکٹوں وغیرہ کا خیال کر کے بھی ہمیں متلی ہوتی ہے۔

### کنزے کی رپورٹ کا خلاصہ:

Richard Lewinshon, M.D. لکھتا ہے کہ کنزے رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ میں ۸۰ فی صد مرد اور تقریباً ۵۰ فی صد عورتیں شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ان میں سے ۹۷ فی صد مردوں نے ایسے جنسی تعلقات قائم کئے جو خلاف قانون تھے۔ ۷۰ فی صد نے رنڈیوں سے تعلقات قائم کیے اور ۴۰ فی صد شادی شدہ مرد اپنی بیویوں سے بے وفائی کرتے ہیں۔ ۳۷ فی صد مردوں اور ۱۹ فی صد عورتوں نے ہم جنسوں سے تعلقات قائم کرنے کو تسلیم کیا، کھیتوں پر کام کرنے والے ہر چھ لڑکوں میں سے ایک جانوروں سے بد فعلی کا مرتکب ہوتا ہے۔<sup>4</sup>

مذکورہ بالا محقق، E.S. Turner کے حوالے سے کنزے سے قبل کے دور کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

”۔۔۔۔۔ شادی سے قبل جنسی تعلقات قائم کرنے کی وجہ سے جو بچے پیدا ہوتے تھے ان میں سے سرکاری ملازمین کے بچوں کی تعداد ۴۱ فی صد، ڈاکٹروں اور وکلاء کے بچوں کی تعداد ۳۰ فی صد اور پادریوں استادوں اور افسروں کے بچوں کی تعداد ۱۵ فی صد ہوتی تھی۔“

۱۹۳۸ء میں انگلینڈ میں جو حمل شادی سے پہلے ٹھہرے، مگر وضع حمل سے قبل نکاح کے ذریعے ان کو جائز کر لیا گیا۔<sup>5</sup> ان کی تعداد ناجائز طور سے پیدا ہونے والے بچوں سے دگنی تھی۔ (یہ ذکر ۱۹۳۸ء کا ہے اور اب تو اس سلسلہ میں بہت ترقی ہو چکی ہے۔)

برٹریڈرسل اپنی کتاب Marriage and Morals by Betrand Russell کے ص ۱۰۷ پر لکھتا ہے:

”جنگ عظیم کے بعد امریکہ، انگلینڈ، جرمن اور سکندے نیویا میں بڑی تبدیلی آگئی ہے باعزت خاندانوں کی کثیر (very-many) لڑکیاں اب اس کو ضروری (worth while) نہیں سمجھتیں کہ عصمت کی حفاظت کی جائے اور نوجوان اب رنڈیوں کے پاس جانے کے بجائے ایسی لڑکیوں سے تعلقات قائم کر لیتے ہیں جن سے کہ اگر وہ امیر ہوتے تو شادی کے خواہش مند ہوتے۔۔۔۔۔ امریکہ میں بہت ہی کثیر تعداد میں (A very large percentage) لڑکیاں کئی کئی عاشق بنالیتی ہیں اور بعد میں شادی کروا کے بہت ہی باعزت بن جاتی ہیں۔“

یورپ کی ان ہی حماقتوں کی بناء پر Leopold Asad نے مغربی تہذیب کو ”کانا دجال“ کہا ہے جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتی ہے اور دوسری

<sup>4</sup> P. 356 A History of Sexual Customs by Richard Lewinshon M.D.

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر ہونے کے علاوہ Ph.D. بھی ہیں اور مشہور محقق ہیں۔ ان کی اس کتاب کا ۱۹۵۸ء میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ ۱۹۶۴ء تک اس کے آٹھ ایڈیشن صرف انگریزی زبان میں چھپ چکے تھے۔

<sup>5</sup> یاد رہے کہ امریکہ اور یورپ میں یہ بات قانونی حیثیت رکھتی ہے کہ اگر حمل ٹھہرنے کے بعد وضع حمل سے پہلے پہلے کسی وقت بھی نکاح پڑھوایا جائے تو ایسا بچہ جائز متصور ہو گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



آکھ اس کی ہے ہی نہیں۔ چنانچہ نتیجہ نہ صرف خود مضحکہ خیز بن کر رہ گئی ہے بلکہ دوسروں کو بھی تباہی کے گڑھے کی طرف دھکیل رہی ہے۔

### خنزیر خوری اور جنسی گندگی:

دنیا جانتی ہے کہ سور ایک ایسا جانور ہے کہ غلاظت اور فضلہ جس کا من بھاتا کھا جاتا ہے۔ پس جو لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں ان میں یہ اثرات آنے لازمی ہیں۔ چنانچہ CAPRIO نے اپنی کتاب Variations in Sexual Behaviour میں مختلف جنسی عادتوں کا ذکر کیا ہے جو مغربی دنیا میں عام ہیں ان میں سے ایک ANILINGUS ہے جس کے معنی میں وہ لکھتا ہے کہ یہ ایسی عادت ہے کہ جس میں کوئی شخص دوسرے انسان کے خاص پاخانہ نکلنے کے مقام کو زبان سے چاٹ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ سور کا گوشت کھانے والوں میں ایسے لوگوں کا پیدا ہونا کوئی زیادہ تعجب کی بات بھی نہیں۔ یورپ میں لواطت کا عام رواج بھی خنزیر خوری ہی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ اب تو وہاں مردوں کی مردوں سے شادیاں بھی ہونے لگی ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق مصنف مذکور لکھتے ہیں کہ:

“Paradoxically some homosexuals claim that the idea of having sex relations with a woman is revolting. The mere mention of cunnilingus disgusts them. Yet they have no reluctance to performing fellatio to completion or performing anilingus on men.”

ترجمہ: الٹی بات یہ ہے کہ کچھ ہم جنسی میں مبتلا مرد کہتے ہیں کہ ان کے لئے عورت سے ہم بستری کا خیال بھی قابل نفرت ہے اور عورت کی شرمگاہ کے بوسے کا خیال بھی ان میں نفرت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ لوگ مردوں کی شرمگاہوں پر کام و دہن کا استعمال کر کے ان کو منزل کرنے یا ان کی مقعد کو چاٹنے جیسی حرکات کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔<sup>6</sup>

مندرجہ بالا حقائق پر نظر ڈالنے کے بعد اپنے ملک کے ان نیم تعلیم یافتہ لوگوں (نیم تعلیم یافتہ اس لئے کہ ان کی اکثریت صرف مشین کے طور پر یا روپیہ کمانے کی غرض سے تعلیم حاصل کرتی ہے ورنہ نہ ان کو علم کا ذوق ہوتا ہے اور نہ کتابوں کا) کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جن کی ایک بڑی تعداد مغربی افکار کو وحی الہی سے بھی بلند درجہ دے کر ان کے پیچھے اندھا دھند اور دیواہ وار دوڑتی چلی جا رہی ہے اور رفتہ رفتہ ذہنی غلامی کی انتہا تک پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح کی ایک صاحبہ نے جو چند ماہ انگلینڈ میں گزار آئی تھیں، انگریزوں کے دفاع میں ایک مرتبہ فرمایا کہ ”وہ لوگ سور کھاتے ہیں لیکن وہ سوروں کو غلاظت نہیں کھانے دیتے۔“ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں لاکھوں مویشی ان سوروں سے ہی Foot and Colt کی وبائی بیماری میں مبتلا ہو کر مرتے ہیں۔ تاہم اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ وہاں کے سور Sterilized کھانا اور پانی استعمال کرتے ہیں تو بھی اس سے سور کی فطرت تھوڑی بدل جاتی ہے؟ اگر کسی بلی کو صرف دودھ پلا کر پالا جائے تو کیا اس کی گوشت خوری کی فطرت ختم ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں! اسے جب بھی موقع ملے گا وہ اپنی اس فطرت کا آزادانہ استعمال کرے گی۔

<sup>6</sup> Variations in Sexual Behaviour by F.S. Caprio M.D. Page, 93



پاکستان کے مشہور صحافی ڈاکٹر عبد السلام خورشید نے ہمیں ایک محفل میں بتایا کہ ایران کا شمار اگرچہ اسلامی ممالک میں ہوتا ہے تاہم وہاں بھی خنزیر خوری اس قدر عام ہے کہ جب ہم شاہ کی تاج پوشی کے رسم کے موقع پر ایران گئے تو اس مختصر سے عرصہ میں بھی باوجود نہایت احتیاط کے تین مرتبہ غلطی سے سورسور کا گوشت چکھنے میں گرفتار ہوئے۔ ایک ایران ہی کا ذکر کیا، دوسرے کئی اسلامی ممالک بھی مغرب کی نقال میں حد درجہ ملوث ہیں۔

### امریکہ اور روس میں جرائم کی رفتار:

H. Jones اپنی کتاب Crime in a changing Society میں اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ موجودہ تہذیب میں اگرچہ لوگ مالی اور مادی خوشحالی کی اس بلندی تک پہنچ چکے ہیں کہ آج تک نہیں پہنچے تھے لیکن جرائم میں بھی اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔<sup>7</sup>

W.C. Reckless نے اپنی کتاب میں جرائم اور آبادی پر جو گراف دیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۵ء تک امریکہ کی آبادی ۸ فیصد بڑھی ہے لیکن جرائم ۴۸ فی صد بڑھ گئے ہیں امریکہ میں ۱۹۶۵ء میں ۲،۷۸۰،۰۰۰ بڑے بڑے جرائم ہوئے۔ رفتار جرائم یہ تھی کہ ہر ایک ہزار میں سے چودہ آدمی بڑے بڑے جرائم کا نشانہ بنے اور اس بنا پر ۳۸۶،۳۳۵،۳ سفید فام اور ۹۹۴،۳۹۷،۱ نیگرو گرفتار ہوئے<sup>8</sup>۔ سفید فام زیادہ امیر اور تعلیم یافتہ ہیں لیکن جرائم میں بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف غربت ہی جرائم کو جنم نہیں دیتی۔ پھر مصنف لکھتا ہے:

”روس کے بڑے شہروں میں نابالغوں اور بالغوں میں جرائم کی ایک لہر پھیل چکی ہے۔“ روس میں میونخ کے مقام پر ۱۹۵۹ء میں ایک انٹرنیشنل ریسرچ سنٹر قائم ہوا تھا۔ اس کی رپورٹ ہے کہ:

Lzvesta نے حال میں لکھا ہے کہ کم عمر نوجوانوں کی غنڈہ گردیوں کے خلاف جو مہم جاری ہے اس کی تشہیر اچھی ہونی چاہئے۔<sup>9</sup>

مندرجہ بالا ادارہ ہی کا کہنا ہے کہ سویت پولیس نوجوانوں کی غنڈہ گردی کو کافی جگہ دے رہا ہے اور اس کے اخلاقی اثرات کے متعلق بھی لکھا جا رہا ہے۔۔۔

پراوڈا (Pravda) کی رپورٹ کے مطابق صرف ماسکو میں غنڈہ گردی کی روک تھام کے لئے ۲۰۰،۰۰۰ رضاکار پولیس کام کر رہی ہے۔

ان سب کوششوں کے باوجود KHALSK, MOSCOW اور RALSK میں غنڈہ گردی کا یہ عالم ہے کہ سوویت کے ایک سرکاری

<sup>7</sup> P. 150, 151 Crime in a changing Society by H. Jones.

اس کے خاص الفاظ یہ ہیں:

“..... most of us are better off than ever before, But we are also more criminal than ever before.

<sup>8</sup> P.13 The Crime Problem by W.C. Reckless.

<sup>9</sup> محولہ بالا 15

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بیان کے مطابق حالت بہ اس جارید کہ جیسے ہی اندھیرا شروع ہونے لگتا ہے۔ لوگ جلدی جلدی میونسپل پارک اور سبز راستوں کو خالی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نوجوان شراگمیزیوں نے پارک کی تمام عمارتوں (Structures) اور سجاوٹ کی چیزوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ بعض کو بگاڑ دیا اور دوسرے کو جلا دیا۔

حال ہی کی سویت رپورٹ میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ موجودہ دور کی سویت سوسائٹی میں پروان چڑھنا اور رہنا ایسی جرائم کی دنیا میں رہنا ہے جس میں کہ سوسائٹی کے ہر طبقے کے جوان بڑی تعداد میں کھینچے چلے آتے ہیں۔ سویت پریس کے بیان کے مطابق بدترین مجرم وہ ہوتے ہیں جو خوش حال گھروں میں پروان چڑھتے ہیں اور ان کے والدین بااثر اور بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا ادارہ اس کی ذمہ داری سویت سسٹم پر ڈالتا ہے۔ جہاں رسوخ یافتہ والدین غیر قانونی طور سے اپنی اولاد کی پشت پناہی کر سکتے ہیں۔<sup>10</sup>

فرانس میں جہاں کہ آدھی آبادی کمیونزم پر فریفتہ ہے اور سوشلزم کے دعویدار اور کارکن و مبلغ عام ہیں۔ اس سوسائٹی کا نقشہ پاکستان ٹائمزیوں کھینچتا ہے:<sup>11</sup>

“Paris Police as from last night were to be reinforced by 1200 special riot constables as part of an all-out Government bid to stamp out attacks on unaccompanied girls and women.”

ترجمہ: گذشتہ رات سے پیرس پولیس نے ۱۲۰۰ افراد کا خاص پولیس میں اضافہ اس لئے کیا ہے تاکہ اکیلی لڑکیوں اور عورتوں پر حملوں کا سدباب کیا جاسکے۔ گذشتہ چند ہفتوں سے زنا بالجبر اور پرس چھیننے کے واقعات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ پیرس پولیس نے اکیلی عورتوں کو ہدایات دی ہیں کہ خطرے کے نمودار ہوتے ہی سیٹی بجا دیا کریں اور سیٹی ہر وقت اپنے پاس رکھیں۔ کیونکہ رات کے آوارہ لوگوں کے خلاف یہی بہترین ہتھیار ہے۔ پیرس کی یہ حالت زار سوشلزم اور کمیونزم دونوں کے منہ پر طمانچہ ہے۔ تعجب ہے کہ اس مہذب اور بین الاقوامی شہرت کے حامل شہر میں رات کو اکیلی عورت اس طرح خطرہ میں ہوتی ہے۔

### چوریوں کے اعداد و شمار:

ترقی پذیر ممالک میں سے روس اپنے جرائم کے اعداد و شمار یا تو چھپاتا ہی نہیں یا صحیح نہیں چھپاتا اور وہاں سنسرشپ بھی سخت ہے۔ اس لئے ہم مثال کے طور پر امریکہ کو لیتے ہیں کیونکہ چین نے بھی اعداد و شمار دینے بند کر رکھے ہیں۔

امریکہ میں ۱۹۶۵ء میں ۱۱۱۸،۹۰۰ ڈاکے پڑے ۱،۷۳،۰۰۰ چوریاں ہوئیں ۷۲،۴۰۰ بڑے درجہ کی چوریاں تھیں۔ علاوہ ازیں ۴۸۶،۶۰۰ کاریں چوری ہوئیں اور ان تمام واقعات میں نقصان کا اندازہ ایک بلین ڈالر یا پانچ ملین روپے ۱،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ یعنی ایک ارب روپے بنتا ہے<sup>12</sup> وہاں کی

<sup>10</sup> محولہ بالا P. 18

<sup>11</sup> Pakistan Times. 6<sup>th</sup> Nov. 1966

<sup>12</sup> P. 15, THE CRIME PROBLEM by W.C. RECKLESS

اکثریت تعلیم یافتہ ہے۔ وہاں کی پولیس چوکننا اور جدید سائنسی آلات اور طریقوں سے پوری طرح لیس ہے۔ حال ہی میں بعض شہروں میں جرائم کی روک تھام ہیلی کاپٹروں سے سڑکوں اور مکانوں کی نگرانی رکھ کر کی جا رہی ہے لیکن اس کے باوجود بھی چوریوں کا یہ عالم ہے کہ اگر کہیں پولیس منظم اور اچھی تنخواہ پانے والی نہ ہو تو نہ معلوم کیا حشر برپا ہو۔

یہ تو تھا بڑی چوریوں کا حال، اب چھوٹی چوریوں کا سنئے۔ آج کل کے زمانہ میں خریدار، دوکانداروں کی اندھا دھند چوریاں کر رہے ہیں۔ (Stealing Super Markets) حتیٰ کہ ہر سال اسی طرح سے ۲۵۰ بلین ڈالر یعنی ۱۲۵۰ ملین روپے ۱۲۵۰،۰۰۰،۰۰۰ یا سو ارب روپے کی مالیت کا سامان چوری ہو جاتا ہے۔<sup>13</sup>

ان چوریوں میں غریب، امیر، گھریلو عورتیں، غرض سوسائٹی کے ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ دوکانداروں کی چوریاں کرنے والے ان کے بے ایمان ملازم ہوتے ہیں۔ یہ بے ایمان ملازم بھی تقریباً اتنی ہی رقم کی چوریاں کر ڈالتے ہیں۔

### تازہ اعداد و شمار اس سے بھی آگے پہنچ چکے ہیں:

بین الاقوامی عیسائی مذہبی ہفتہ وار رسالہ AWAKE کے بیان کے مطابق امریکہ کے اندر ۱۹۶۷ء میں شاپ لفٹروں نے ۲،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر (یعنی ۱۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ روپے = ۱۰ ارب روپے) کا سامان چوری کیا۔ صرف بڑے دن کے زمانے میں ہی ۶۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر یعنی ۳،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ روپوں یعنی تین ارب پاکستانی روپے کی چوری ہوتی ہے۔<sup>14</sup>

### چوری اور اس کی سزا قرآنی اعجاز:

قرآن میں چوری کی سزایوں مذکور ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدہ: ۳۳)

یعنی چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹ دو۔

قرآن کے اس قانون پر شاید اور تو کسی مسلمان ملک نے عمل نہیں کیا البتہ سعودی عرب نے ضرور کیا جہاں کسی زمانہ میں بے حد چوریاں ہوا کرتی تھیں۔ اس قانون پر عمل درآمد کے بعد وہاں چوریاں کا عدم ہوجا چکی ہیں۔ دنیا کو معلوم ہے کہ لوگ کئی کئی دن تک اپنے گھروں کو کھلا چھوڑ کر شہر سے باہر چلے جاتے ہیں لیکن چوری کا خیال کسی کو نہیں آتا۔ اس طرح دکانوں کو کھلا چھوڑ کر دکاندار مسجد یا گھر چلے جاتے ہیں لیکن مجال ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز اٹھالے! وہاں کے دکاندار شاپ لفٹنگ کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ قرآن کے اس زندہ معجزہ سے متاثر ہو کر پاکستان کے سابق چیف جسٹس کارنیلیس نے بین الاقوامی قانون دانوں کی مجلس میں اس سزا کو سراہا اور پاکستان میں بھی اس قرآنی قانون کی تعریف و توصیف کی۔ تعجب ہے کہ ایک

<sup>13</sup> محولہ بالا P. 165 ibid

<sup>14</sup> AWAKE dated 22<sup>nd</sup> Feb. 1968

عیسائی ماہر قانون کو یہ قرآنی اعجاز نظر آگیا لیکن مسلمان ملکوں کے اکثر سربراہوں کی آنکھوں پر پردہ پڑا رہا۔  
تجربات شاہد ہیں کہ قرآن مجید کے تمام احکام ہی اس قدر موثر اور عین مطابق فطرت ہیں کہ ان میں کسی قسم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی  
ان کی موجودگی میں کسی اور آئین وغیرہ کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔ لیکن جب اذہان ہی غلامی اور تعصب کا شکار ہو جائیں تو اس کا کیا علاج؟

### اسلامی افکار کی تبلیغ اور انسانی فلاح کے لئے سنہری موقع:

مغرب میں آج کل نئی تہذیب (ماڈرن ازم) کے نتیجے میں جو شدید بے چینی پائی جاتی ہے اس کا اندازہ وہاں کے قتل اور خودکشی کے واقعات سے  
بھی لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ مختصر اہم نے عصری تحقیقات کے متعلق اس مضمون میں بیان کیا ہے اس کو بھی سامنے رکھ کر ناظرین پر بخوبی  
عیاں ہو سکتا ہے کہ موجودہ دور میں اسلام کے افکار کی تبلیغ کے لئے ایسا آسان اور سنہری موقع ہے کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ  
الگ بات ہے کہ ہم اس سنہری موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور حامل قرآن ہونے کے باوجود اس کی برکات سے عاری اور دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔  
خداوند کریم ہمیں قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور موجودہ روشن دور کی تاریکیوں کے خلاف کمر بستہ ہونے میں ہماری امداد و  
نصرت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

## رحلہ علم

قسط (۴) آخری

مولانا ثناء اللہ بلتستانی

### کثرتِ مرتحلین:

اسلامی قرونِ اولیٰ، وسطیٰ اور متاخرہ ہر زمانہ میں یہ رواج رہا ہے کہ علم کے شائقین کثیر تعداد میں علمی مراکز میں آس پاس سے جمع ہوتے تھے۔ دورِ خلافتِ راشدہ تک تو حجاز میں زیادہ رونق رہی۔ بعد ازاں عراق، خراسان شام، بلخ، بخارا وغیرہ بھی علمی مراکز بن گئے جہاں سے یہ علمی دولت مشارق الارض و مغاربہا میں پھیلی۔ یہاں اس عنوان کے تحت صرف چند ایک مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے قارئین یہ اندازہ لگا سکیں گے کہ یہ لوگ کس قدر علم کے شوق میں ہر طرف سے کھینچے چلے آتے تھے۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمن شروانی اپنی تالیف ”علماء سلف و نابینا علماء“ کے ص ۵ میں لکھتے ہیں:

”امام بخاریؒ کے شاگرد فربریؒ سے تقریباً نوے ہزار شاگردوں نے صحیح بخاری پڑھی۔“

یحییٰ بن جعفر بیکندیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ علی بن عاصم کی مجلس درس حدیث میں تیس تیس ہزار نفوس قدسیہ پروانہ وار سر دھن کر تقریر سنتے تھے اور ہمہ وقت علوم و معارف کا غلغلہ اور تذکرہ رہتا تھا۔“

یزید بن ہارونؒ نے جب بغداد میں درس حدیث دیا وہاں ستر ہزار حاضرین کا تخمینہ کیا گیا۔ ایک مرتبہ سلیمان بن حربؒ کے لئے بغداد میں قصر خلافت کے قریب ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی تاکہ اس پر بیٹھ کر حدیث لکھائیں۔ اس مجلس میں امیر المؤمنین مامون الرشید اور تمام امراء خلافت حاضر تھے۔ جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا تھا اس کو امیر المؤمنین اپنے قلم سے لکھتے جاتے۔ جب کل حاضرین درس کا تخمینہ کیا گیا تو چالیس ہزار نفوس اندازے میں آئے۔ امام عاصم بن علی املائے حدیث کے لئے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھتے تھے۔ ان کے مستملی (جو استاد سے سن کر شاگردوں کو اونچی آواز سے لکھائے) ہارون نے اپنے کھڑے ہونے کے لئے ایک خم دار کھجور کا درخت پسند کر رکھا تھا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے ایک بار اپنا معتد اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا۔ معتد نے ارشاد خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ بیس ہزار حاضرین کی تعداد شمار میں آئی۔ ذرا قیاس کیجئے کہ جس قوم کے افراد ایک ایک مجلس علمی میں سوا سوا لاکھ کی تعداد میں جمع ہو جائیں اس قوم کے سینے میں کتنا شوقِ علم بھڑک رہا ہو گا اور پھر اس امر کا بھی اندازہ کیجئے کہ جو شہر اپنے سوا سوا لاکھ باشندے ایک علمی جلسہ میں بھیج دے وہ کس قدر آباد ہو گا۔ (بحوالہ عیون الانباء، ج ۲ ص ۶)

### رحلہ کی مشکلات:

موجودہ زمانے میں حصول علم کے لئے جس قدر سہولتیں میسر ہیں، اس زمانے میں موجود نہیں تھیں بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ علم حاصل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



کرنے کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں حاصل تھیں۔ لیکن علم کی خاطر یہ لوگ ان رکاوٹوں کو ہنسی خوشی برداشت کر لیتے تھے۔ گویا کہ انہوں نے خود کو مندرجہ ذیل ارشاد الہی کا پورا مصداق بنایا: **يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ** یعنی اے انسان تو اپنے رب کی طرف محنت کرنے والا ہے۔ پھر تو اسے ملے گا۔

اور مسلمان کی شان بھی یہی ہے کہ اپنے رب سے ملاقات کی امید میں جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو اس سے اکتاہٹ یا بے صبری تو کجا، اس رستہ کی تکالیف کا زبান سے اظہار بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ سفری مصائب کے سلسلہ میں جو علم کی خاطر پیش آئے بہت کم واقعات ان لوگوں سے منقول ہیں اور جو ہیں وہ بھی اتفاقاً، بر سبیل تذکرہ یا کسی خاص اعلیٰ مقصد کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں موسیٰ کا یوشع بن نون سے یہ کہنا بیان ہوا ہے، **إِنَّمَا غَدَاةُ الْقُلُوبِ يَبُوءُ بِمَا صَدَّاقُوا سَفَرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** اس سفر سے تو ہم بہت تھک چکے ہیں۔

موسیٰ کا یہ قول اگرچہ تکان وغیرہ کا اتفاقاً ذکر تھا لیکن قرآن نے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس (تکان اور بھوک) کے احساس سے بعد میں بڑے بڑے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

بہر حال طالب علم کی خاطر ان لوگوں نے جس قدر مصیبتیں جھیلیں، اگر آج کل کی طرح ان دنوں علماء میں ڈائریاں لکھنے کا رواج ہو تا اور وہ اپنے سوانحی واقعات کو جمع رکھنے کا اہتمام فرماتے تو آج یقیناً تاریخ انہی صعوبات سفر کے ابواب سے پُر ہوتی۔ تاہم جو واقعات ملتے ہیں ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ علم کی خاطر ان لوگوں نے کس قدر محنتیں کیں اور تکالیف اٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے جو گھنٹوں بڑے صحابہ کے دروازوں پر مسئلہ پوچھنے کی غرض سے کھڑے رہتے، لیکن دستک دیتے نہ بلاتے، کہ کسی کام کی غرض سے یا نماز وغیرہ کے لئے خود ہی باہر نکلیں گے تو مسئلہ پوچھ لیں گے اور صحابہ جب آپ کو اپنے دروازے پر کھڑے ہوئے پاتے و معذرت کرتے لیکن آپ ثواب کی نیت سے اسے ٹال جاتے۔ (جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر)

ذیل میں ہم ابو اتم رازیؒ کے ایک دو قصے نقل کرتے ہیں جو ان کے صاحبزادے نے اپنی کتاب جرح و تعدیل کے مقدمہ میں رج کئے ہیں۔ جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ محدثین کرام کو اپنے رحلات کی کتنی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی اور کس قدر شہدائے اند اور تکالیف کا سامنا کر کے یہ لوگ پروان چڑھتے تھے۔ ابن ابی حاتمؒ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں:

”میں ۲۱۴ھ میں آٹھ ماہ بصرہ میں رہا۔ یہاں میرا ایک سال کا پروگرام تھا لیکن خرچ ختم ہو گیا تو میں ایک ایک کر کے اپنے کپڑے بیچنے لگا حتیٰ کہ تمام کپڑے ختم ہو گئے تاہم میں حسبِ دستور اپنے ایک دوست کے ساتھ اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شام تک سبق میں مشغول رہا۔ شام کو واپس اپنی قیام گاہ پر آگیا۔ کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی اور میں صرف پانی پی کر لیٹ گیا۔ دوسرے روز پھر وہی دوست آگیا جس کے ساتھ میں سخت بھوک کے باوجود شام تک شریکِ سبق رہا اور پھر ہم اپنی قیام گاہ پر آگئے۔ جب تیسرا روز ہوا تو میرا دوست پھر مجھے بلانے آیا تو میں نے معذوری ظاہر کی کہ مجھ میں کمزوری کے باعث ہلنے کی طاقت نہیں، اس نے وجہ پوچھی تو میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ میں نے دودن سے کچھ نہیں کھایا۔ اس کے پاس ایک اشرفی تھی۔ آدمی اس نے مجھے دے دی اور آدمی کرایہ کے لئے بچالی اور ہم بصرہ سے واپس آگئے۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس واقعہ سے جہاں طالب علم میں مصائب کا اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ طلب علم کے لئے اپنا ذاتی خرچہ کرتے تھے۔ حکومت کی طرف سے وظائف یا عوام کی طرف سے کوئی خاص معاونت انہیں حاصل نہ تھی۔ آج طلباء کو سفری سہولتیں حاصل ہیں۔ مدارس میں کھانے پینے اور رہائش کا مفت بندوبست ہے۔ کوئی فیس بھی نہیں، بلکہ کتابیں تک مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود لوگ علم حاصل کرنے کو عار اور دنیا سے فرار سمجھتے ہیں۔ ابو حاتم کا دوسرا واقعہ یوں منقول ہے کہ:

”ایک دفعہ ہم سمندر میں سفر کر رہے تھے کہ رات کو مجھے احتلام ہو گیا، نہانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ تیرنا آتا نہیں تھا کہ سمندر میں غسل کر لیتا۔ بہ حالت مجبوری اپنے ساتھیوں سے ذکر کیا تو انہوں نے تجویز پیش کی کہ ہم تمہیں رسہ سے باندھ کر سمندر میں لٹکا دیتے ہیں، تم غسل کر لینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔“ وہ کہتے ہیں: ”میں نے پہلے اچھی طرح وضو کیا اور پھر غسل کرنے کے بعد انہیں باہر نکالنے کو کہا اور انہوں نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔“

اندازہ کیجئے کہ لمبے سفر و خصوصاً بحری راستوں میں اس قسم کی معمولی چیزیں بھی کس قدر پریشانی کا باعث ہو جاتی ہیں۔ اس کتاب سے حاتم رازی کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

”ہم مدینہ منورہ سے جب داؤد جعفریؒ سے پڑھ کر نکلے تو جار کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم تین آدمی تھے۔ مین ابو زہیر مروزی بوڑھا اور ایک نیشا پوری۔ ہم تینوں کشتی میں سوار ہوئے۔ لیکن تین ماہ تک باد مخالف چلتی رہی۔ زادِ راہ تقریباً ختم ہو چلا تھا۔ ہم خشکی پر اترے تو بچا کھپراشن بھی ختم ہو گیا۔ ہم بغیر کچھ کھائے پئے چلتے رہے۔ دودن اسی طرح گزر گئے۔ ہم شام تک اپنا سفر جاری رکھتے اور پھر نمازیں پڑھ کر رات کو سو جاتے۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال تو تھے ہی۔ تیسرے روز پہلے تو بقدر طاقت چلتے رہے اور پھر طاقت بالکل جواب دے گئی پہلے ابو زہیر بوڑھا بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہم نے اسے اٹھانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ ہم اسے وہیں چھوڑ کر آگے چل پڑے لیکن تقریباً ایک فرسخ دور جا کر میں بھی بے ہوش ہو گیا۔ تیسرا ساتھی آگے نکل گیا۔ تھوڑی دور جا کر اسے ایک کشتی نظر آئی تو اس نے رومال ہلا ہلا کر کشتی والوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس پر کشتی والے برتن میں پانی لے کر اس کے پاس آئے اور اس کو پانی پلایا۔ پانی پی کر اس کے اوسان بحال ہوئے تو اس نے انہیں ہمارے بارے میں بتایا کہ میرے دو ساتھی بے ہوش پڑے ہیں۔ یہ سن کر ان کے چند آدمی ہماری طرف بھاگے۔ مجھے اس وقت ہوش آیا جبکہ ایک آدمی میرے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔ ہوش میں آنے پر میں نے ان سے بوڑھے کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ چند آدمی اسے بھی لینے گئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ان کی مدد سے بوڑھا بھی ہم سے آ ملا۔ اور پھر انہوں نے چند روز تک ہماری خوب خاطر تواضع کی حتیٰ کہ ہماری طاقت بحال ہو گئی۔ پھر انہوں نے ہمیں کچھ کیک اور سنتو دے کر رخصت کر دیا اور ساتھ ہی ایک رقعہ راہ نامی شہر کے حاکم کے نام دے دیا۔ ہم دوبارہ منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن زادِ راہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ کھانے پینے کو اور تو کچھ نہ ملا، راستے میں ہم نے ایک کچھو ادیکھا جس کی پیٹھ ہم نے پتھر مار مار کر پھوڑ دی۔ اس میں سے ایک زردی مائل سفیدی دکھائی دی اور اس کو ہم نے سمندر کے کنارے پڑی ہوئی سیسپوں سے بطور چھج استعمال کرتے ہوئے کھالیا۔ کچھ جان میں جان آئی تو دوبارہ چل نکلے یہاں تک کہ راہ نامی شہر میں پہنچ گئے۔ ہم نے وہ رقعہ حاکم شہر کو دیا۔ اس نے ہماری خوب آؤ بھگت کی۔ وہ ہمیں روزانہ کدو کھلاتا رہا۔ ایک روز ہمارے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک ساتھی نے اپنی زبان فارسی میں دوسرے سے کہا کہ ”تم اپنے لئے بھنا گوشت کیوں نہیں منگواتے۔“ حاکم شہر اسے سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ میں فارسی جانتا ہوں کیونکہ میری دادی ہرات کی رہنے والی تھی۔ پھر اس نے ہمارے لئے گوشت منگوا لیا۔ ہم چند دن وہیں ٹھہرے۔ پھر اس نے ہمیں زادِ راہ دے کر رخصت کر دیا اور ہم بخیریت مصر پہنچ گئے۔

تو یہ ہیں وہ واقعات جو ابوحاتم کی زبان سے کھل گئے ہیں وہ اکثر یہ لوگ اپنے اسفارِ علمی کی مشکلات وغیرہ بیان کرنے سے گریز ہی کرتے۔ ائمہ محدثین میں سب سے زیادہ شہرت صحاح ستہ کے مصنفین کو ہے اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین بھی کئی بار ایسے دشوار گزار راستوں سے گزرے۔ تاہم انہوں نے زیادہ اہمیت اسی مقصد کو دی جس کی خاطر وہ گھر سے نکلے تھے یعنی علم کی خاطر عموماً اور احادیثِ نبویہ کی خصوصاً تلاش ان کی تدوین، راویوں کے حالات اور ان کی چھان بین وغیرہ۔ ڈائریاں وغیرہ لکھنے پر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ اگر کہیں یہ لوگ ڈائریاں اور اپنی سوانح عمریاں لکھنے بیٹھ جاتے تو ان کا مقصد فوت ہو جاتا اور ہمیں دین کی یہ محفوظ اور مامون شکل شاید ہی دیکھنی نصیب ہوتی۔ شائقینِ علم، علم کی پیاس بجھانے کے لئے ہزار ہا صعوبتیں اٹھا کر نظر انداز کر دیتے اور صرف علمی معلومات کا اظہار کرتے تھے اور ان مشکلات کو برداشت کرنے والے افراد چند ایک نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موجود تھے جو قرونِ اولیٰ میں علم کی صحبت کی خاطر مارے مارے پھر رہے تھے۔

### خاتمہ کلام:

اسلامی تاریخ نادر روزگار اور عظیم شخصیات کی سرگزشتوں سے معمور و معمور ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ان اسفار، رحلات اور سیاحت میں کیسی کیسی ناقابلِ برداشت مشقتیں ان لوگوں کو اٹھانا پڑیں کہ ایک طرف تورگیستانوں، کوہستانوں اور سنگریز علاقوں کا پیادہ پاسفرطے کرنا اور پھر افلاس و قلاشی اس پر مستزاد ایک ایک گھونٹ پانی کے لئے سفر میں تڑپنا، بھوک کی وجہ سے ہوش و حواس تک کھو بیٹھنا۔ ہر طرف افلاس کے آدمِ خور دیو کی منحوس صورت کا سامنے ہونا اور قوتِ لایموت کے حصول کی ادنیٰ سے ادنیٰ صورت کا بھی معدوم ہونا، کبھی جڑی بوٹیوں کے پتوں پر زراوقات کرنا اور کبھی کسی نانباتی کی دوکان پر صرف بوئے طعام پر قانع ہونا اور اس پر طرہ یہ کہ حوصلوں کو پست کر دینے والی محنت اور مشقت کے مقابلے میں انواع و اقسام کے ناز و نعم اور نفسانی خواہشات کا اپنی طرف کھینچنا اور ان سے مقابلہ کر کے ان کو تھک کر صرف مقصدِ حصولِ علم کے لئے وقف ہو جانا بلاشبہ ایسے صبرِ آزما مراحل ہیں کہ ہمارے لئے تو ان کا تصور بھی محال ہے۔ لیکن ان لوگوں نے محض سچی طلب کی خاطر ان صعوبات پر قابو پایا اور بالآخر منزلِ مراد کو پہنچے ان کے قدم کہیں نہیں ڈمگائے بلکہ ہر مشکل اور ہر مصیبت نے ان کے سمیندِ عزم پر تازیانہ کا کام کیا اور ہمت ہارنے کے بجائے ان کے عزائم اور زیادہ مستحکم اور حوصلے اور زیادہ بلند ہوتے چلے گئے۔ مرحباً صد ہا مبارکبادی کے مستحق ہیں یہ بزرگانِ دین متین، اسلافِ صالحین اور نفوسِ قدسی جن کی مشقتوں اور محنتوں کے ثمرہ میں ہم جیسے احسان فراموش، ناعاقبت اندیش اور غافل کیش لوگ متمتع ہو رہے ہیں۔ لیکن ہم نے بھول کر بھی ان کی قدر نہ کی، بیگانے تو خارج از بحث ہیں، ہم نے انہوں تک کو معاف نہیں کیا، بجائے ان کے ممنونِ احسان ہونے کے ہم نے ان کی ذاتوں کو ہدفِ تنقید بنایا اور ان پر اس حد تک لعن طعن کیے کہ جو منہ میں آیا خرافات بکتے چلے گئے۔ ان کی تابناک زندگی کو داغدار بنانے کی ناپاک جسارت کی اور ان کے کارناموں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پر پانی پھیر دینے کی شرمناک حرکت کے مرتکب ہوئے لیکن یہ ہماری اپنی ہی بد بختی ہے۔ چگاڈ کو اگر سورج نظر نہ آئے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے نہ کہ سورج کا۔ بلاشبہ محدثین کی خدمات اظہر من الشمس اور احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نورِ حمت سے روشن فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔